ماہنامہ

اہل السنۃ

Ahl Us Sunnah

اتباع الکتاب والسنۃ بفہم سلف الأمۃ

September 2021

ستمبر ۲۰۲۱ء

- سوشل میڈیائی فتنے اور فتنے باز
- امام بخاری رحمہ اللہ اور صحیح بخاری پر تبلیغی اعتراضات کا جائزہ
- ماہ محرم اور کربلائی فکر کی شورشیں
- لفظ ''عالم'' کا صحیح معنوں میں مصداق کون؟

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی 116 نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

إِنْ شَاءَ اللّٰهُ

معاشرے کے بدنیت لوگوں کا ان شاءاللہ کو بطورِ ڈھال استعمال کرنا.....

اتباع التابعین میں سے امام عبدالرحمٰن الاوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان شاءاللہ کہہ کر وعدہ کرنا اور دل میں وہ کام نہ کرنے کا ارادہ رکھنا، منافقت ہے۔[جامع العلوم والحکم:۲/۴۸۲]

افسوس ہے کہ بعض بدنیت قسم کے لوگوں نے اس کلمہ استثناء کو اپنی بدنیتی پر پردہ ڈالنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔

مثلاً ایک شخص اپنے سابقہ قرضہ کی ادائیگی یا نئے قرض کے لیے قرض خواہ سے ایک ماہ کا وعدہ کرتا ہے اور ساتھ ان شاءاللہ بھی کہہ دیتا ہے مگر اس کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ اپنا کام تو چلائیں پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

اور جب مدتِ مقررہ کے بعد قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ کرتا ہے تو کہہ دیتا کہ اللہ کو منظور ہی نہ ہوا کہ میرے پاس اتنی رقم آئے کہ میں آپ کو ادا کرسکوں وغیرہ وغیرہ عذر پیش کر دیتا ہے۔

اور بدنیت لوگوں نے اس کلمہ استثناء کو اس قدر بدنام کر دیا ہے کہ جب کوئی اپنے وعدہ کے ساتھ ان شاء اللہ کہتا ہے تو سننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اس کی نیت بخیر نہیں ہے۔

یہ اللہ کی آیات سے بدترین قسم کا مذاق ہے جس کا ایک ایمان دار آدمی تصور بھی نہیں کرسکتا۔(مولانا عبد الرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، تیسیر القرآن:۲/۶۳۱، الکہف:۲۴)

Ahlus Sunnah Volume No.9, Issue No.116, September 2021

ماہنامہ

ستمبر ۲۰۲۱ء

فی شمارہ Rs. 30/-

سالانہ Rs. 300/-

جلد: ۹

شمارہ: ۱۱۶

سرپرست : رضاء اللہ عبدالکریم مدنی نگراں : عبدالشکور عبدالحق مدنی

ایڈیٹر: کفایت اللہ سنابلی
رابطہ نمبر: 8657458182

نائب ایڈیٹر: خلیل الرحمٰن سنابلی
رابطہ نمبر: 8291063765

معاونین : ابوالبیان رفعت سلفی ● حافظ امتیاز احمد رحمانی

فورمیٹنگ: شفیق احمد محمد عدیل محمدی ● گرافک ڈیزائنر: طارق بن عبدالرحیم شیخ

سی،ای،او : زید خالد پٹیل

مجلس مشاورت

● شیخ محفوظ الرحمٰن فیضی ● دکتور عبید الرحمٰن مدنی ● شیخ نورالحسن مدنی ● شیخ محمد جعفر الہندی

نوٹ : اپنے مضامین کی اشاعت، مفید مشوروں اور میگزین ممبرشپ کے لیے اوپر دیئے گئے نمبرات پر رابطہ کریں۔

خط وکتابت وترسیل زر کا پتہ:

Bank Details: ● Current Account : ICICI Bank ● Account Name : Ahl us Sunnah
A/c No:102805001781 ● IFSC Code : ICIC0001028 ● Andheri Link Road Branch

Add:Islamic Information Centre, Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (West), Mumbai - 400070 | Ph. : 8080807836

Website : http://ahlussunnah.net | Email: ahlussunnah.m@gmail.com

Owner/Printer/Publisher: SAAD KHALID PATEL

Printed at: Bhandup Offset & Designers, 1009 Bhandup Indl.. Estate, Pannalal Compound, LBS Marg, Bhandup (West), Mumbai - 400078

Published at: 106 Fateh Manzil, 4th Floor, Victoria Road, Sant Savta Marg, Mustafa Bazar, Mumbai - 400010

Islamic Information Centre, Managed by: ILM FOUNDATION Regd. No.23181

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوشل میڈیائی فتنے اور فتنے باز	حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی	05
امام بخاری رحمہ اللہ اور صحیح بخاری پر تبلیغی اعتراضات کا جائزہ (قسط سوم)	کفایت اللہ سنابلی	08
ماہ محرم اور کربلائی فکر کی شورشیں	رشید سمیع سلفی	15
یہودیت اور شیعیت: نام الگ مگر کام ایک	ابو سفیان ہلالی	20
سیدنا علی اور حسن وحسین (رضی اللہ عنہم) کے ناموں کے ساتھ ''علیہ السلام''۔۔۔	محمد صالح حسن	25
لفظ ''عالم'' کا صحیح معنوں میں مصداق کون؟	جمیل احمد ضمیر سنابلی مدنی	30
اولاد کی تربیت کیوں کریں؟	عتیق الرحمٰن عبید الرحمٰن سلفی	36
توبہ اور استغفار میں فرق	ابو قحافہ محمد معاذ عمری	41
کیا دو رکعت یا ایک تشہد والی نماز میں تورّک کیا جائے گا؟	حافظ اکبر علی اختر علی سلفی	44

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں

اداریہ

سوشل میڈیائی فتنے اور فتنے باز

حافظ خلیل الرحمٰن سنابلی

یہ دور سوشل میڈیا کا ہے اور اس کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلّم ہے، اس پلیٹ فارم سے بہترین دینی، علمی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی کام انجام دیئے جاسکتے ہیں بہت سے ادارے اور اشخاص یہاں سے اپنی بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں اور عوام الناس کو ان سے خاطر خواہ فائدہ بھی ہو رہا ہے، اللہ ایسے تمام لوگوں کی نیتوں کو خالص کرے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

سوشل میڈیا سے جہاں ایک طرف بہت سے اصلاحی اور خیری کام ہو رہے ہیں وہیں امر واقعہ یہ ہے کہ بہت سے ایسے لوگ بھی یہاں پر موجود ہیں جو دین کے نام پر اپنا ''چورن'' بیچنے کا کام کر رہے ہیں، جنہوں نے دین کو کھلواڑ بنا کر رکھا ہے، لوگوں کے سوال پر اپنے دماغ میں بنا ہوا شریعت کی تعلیمات سے دور کوئی جواب پروس دیتے ہیں کہ لو بھائی تیار ہے، اس کو پُڑیا بنا کر رکھ لو تمہاری نیّا پار لگ جائے گی، دین کے نام پر ایسی ایسی خرافات، بکواسیات، واہیات باتیں اور ایسے ایسے شگوفے کہ اللہ کی پناہ! گویا کہ یہ سوشل میڈیائی فتنے باز لوگ یہ اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ: ''ہر مرض کا وظیفہ، ہر مسئلے کا حل، ہر مشکل کی آسانی کے لیے ایک مناسب جگہ سوشل میڈیا پر موجود ہمارا چینل ہے، آپ اپنا مرض، اپنا مسئلہ ہمیں بتائیں، فوراً علاج پائیں، اور ہاں اگر آپ نے اب تک ہمارا چینل سبسکرائب نہیں کیا ہے تو ضرور کر لیں کیونکہ ایسی فائدے والی چیزیں آپ کو کہیں اور نہیں ملنے والی'' جبکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی ویڈیو کے نیچے ہی ایک اور ویڈیو کسی اور چینل کی لائن میں لگی ہے کہ جس میں اس سے زیادہ گارنٹی اور مضبوطی کے ساتھ اسی مرض کا علاج بتایا گیا ہے، سب ٹی آر پی، سبسکرائب اور ویوز بٹورنے کا دھندا بنا رکھے ہیں اور سمجھتے ہیں سمجھاتے یہی ہیں کہ ہم سے زیادہ اچھا اور بہترین دین کا کام کوئی اور نہیں کر رہا ہے۔

سوشل میڈیا پر آنے والے بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن کو طریقے سے عربی پڑھنا بھی نہیں آتا، اردو کا تلفظ ٹھیک نہیں اور کسی بھی مسئلے پر گہری جانکاری نہیں مگر ہر مسئلے پر یہ دھڑلے سے کچھ نہ کچھ بولنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں اور ان کے رویے سے ایسا لگتا ہے کہ اگر انہوں نے نہیں بولا تو سمجھو کسی نے کچھ بولا ہی نہیں، وہیں دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کسی بھی حادثے یا واقعے پر بولنا یا ردعمل ظاہر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جذبات میں آکر اپنا اور اپنی قوم

دونوں کا نقصان کر جاتے ہیں، ہر پیش آنے والی بات کو یہودیوں کی یا دشمنوں کی مسلمانوں کے خلاف سازش قرار دے دیتے ہیں حالانکہ سچائی یہ ہے کہ ہر موضوع اور پیش آنے والے واقعات پر اپنا ردعمل یا ''قیمتی'' تأثر پیش کرنا عقلمندی نہیں ہوتی۔اس سے خود انسان اپنی شخصیت اور باتوں کی قیمت کم کر رہا ہوتا ہے۔

ضروری تو نہیں نا کہ آپ ہر چیز پر تبصرہ کرتے رہیں، بعض دفعہ خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ویسے بھی نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''مَنْ صَمَتَ نَجَا'' ''جو خاموش رہا اسے نجات مل گئی'' [سنن ترمذی: ۲۵۰۱، صحیح]

ایک طبقہ یہاں ایسا بھی موجود ہے جو اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتا ہے لیکن وہ کسی خاص فرد یا خاص مسلک کا عقیدت سے بھرا ہوا شخص ہے، اور وہ اپنے اُس پیر، بزرگ، ممدوح اور پیاری شخصیت کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، وہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کر سکتا کہ میرے ممدوح سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، وہ تو اس کے خلاف بولنے والوں کو ہی لعن طعن کرنا شروع کر دیتا ہے، اور ممدوح کا حال یہ ہے کہ وہ شرعی معاملات میں مداخلت کرتا ہے، فتویٰ دینے کا اہل نہیں لیکن فتویٰ بازی بھی کرتا ہے، دلائل اور نصوص میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتا ہے حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو شخص جس میدان کا اہل نہ ہو اسے اس میدان میں آنا بھی نہیں چاہیے، اس کے باوجود آج کل ہر ایرا غیرا دین کے نام پر کچھ بھی بک دیتا ہے۔گمراہ ہوتا ہے اور گمراہی پھیلاتا ہے، اور گمراہیاں بھی ایسی جو سیدھے انسان کے عقیدے، ایمان اور اسلام کی بنیادوں پر حملہ کرتی ہیں، وہ شخص غلطیاں کرتا ہے اور امید یہ رکھتا ہے کہ علماء اس کی اصلاح کرتے رہیں، اور ہمارے چند ''معصوم'' اخوان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی اصلاح کی جائے وہ بھی تنہائی میں۔

سنو! ایسے لوگ اپنے جرم کی وجہ سے اصلاح نہیں، رد اور جرح کے مستحق ہیں۔ان پر نقد کرنا واجب ہے۔اور ان کی غلطی کو تنہائی میں نہیں بلکہ علی الاعلان بیان کیا جائے گا تا کہ لوگ ایسوں کے فتنوں سے آگاہ ہوں۔

کیا سنا نہیں؟ کہ قول وعمل سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔اور ہاں! کسی پر نقد یا جرح کا یہ قطعی مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی شخصیت کو برا کہا جا رہا ہے یا اس کی ذات پر کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔کسی پر نقد کرنا اور ذات پر طعن کرنا دونوں میں بہت فرق ہے، اس فرق کو سمجھیں گے تو ایسی باتیں نہیں کریں گے۔

ایک اور طبقہ اسی سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم پر موجود ہے جو ہر سنی سنائی بات کو اُسی جگہ یا معاشرے میں فوراً پھیلا دینا ضروری سمجھتا ہے، شیئر پر شیئر کرتا ہے، جتنے گروپس اور رابطے ہیں سب کے پاس بھیج دیتا ہے کہ لو دیکھو، میں نے

آپ سب کو کیا کمال کی چیز بتایا ہے، حالانکہ جب حقیقت سامنے آتی ہے تو ''کھودا پہاڑ نکلی چوہیا'' کا محاورہ صادق آتا ہے۔ ویسے بھی یہ اخلاقی، سماجی، شخصی اور سب سے بڑی بات شرعی اعتبار سے بھی ایک غلط عمل ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس عمل سے منع کیا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں پیارے نبی ﷺ کہتے ہیں:

'' كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ''

''انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کردے'' [صحیح مسلم:۵]

ایک قسم کے فتنہ باز لوگ اور یہاں پائے جاتے ہیں جو کسی کے بارے میں بھی بس سن کر فیصلہ کرتے ہیں، تبصرہ کرتے ہیں، اس کے تعلق سے اپنے دماغ میں ایک نظریہ بنا لیتے ہیں کہ فلاں عالم یا شخص ایسا ہے، وہ بس اس کی ایک پوسٹ کو دیکھ کر یا اس کے بارے میں کسی سے بس سن کر اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ پھر اس کے بعد کچھ اور سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے کہ جب تک ہم کسی شخص سے ملاقات یا اس سے بات چیت نہ کرلیں اس کے تعلق سے اچھی یا بری رائے قائم کرنا مناسب نہیں۔ ہمارے اکثر مسائل اسی وجہ سے جنم لیتے ہیں کہ ہم کسی کو بنا سمجھے، بنا جانے اس کے تعلق سے رائے قائم کرلیتے ہیں، کسی کو برا، کسی کو اچھا، اور یہ رائے صرف سنی سنائی باتوں پر ہوتی ہے یا اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، جبکہ میں نے دیکھا ہے اور سچائی بھی یہی ہے کہ ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھنے والے، ایک دوسرے کو اپنا مدّ مقابل سمجھنے والے جب کبھی ایک جگہ بیٹھتے ہیں، ملاقات کرتے ہیں تو ان کی دشمنی، ان کی غلط فہمی دوستی میں تبدیل ہو جاتی ہے، ایسے دو لوگ جب کچھ وقت اکٹھے گزارتے ہیں تو انہیں پتہ چلتا ہے کہ ان کے درمیان تو کسی طرح کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔

محترم قارئین! یہ اور اس قسم کے بہت سے چھوٹے بڑے فتنے اور فتنے باز سوشل میڈیا کی دنیا میں موجود ہیں، ان سے آپ ہوشیار رہیں، اس وادی میں قدم پھونک پھونک کر رکھیں، لایعنی اور بے کار چیزوں میں اپنا وقت نہ گنوائیں، وقت بہت قیمتی شے ہے، سوشل میڈیا کو آپ اپنے لیے فائدے اور نیکیوں کا سبب بنائیں، صدقہ ء جاریہ والے اعمال کریں، اچھائیاں تقسیم کریں، اس کے برعکس آپ نے اگر اس کا غلط استعمال کیا، شیطانی اور انسانی دشمنوں کی چالوں کو سمجھنے کے باوجود اس میں الجھتے چلے گئے اور شر پر شر کرتے اور پھیلاتے چلے گئے تو یاد رکھیں کہ رب کے حضور پیش ہونا ہے اور وہاں ہر ہر عمل اور حرکت کا حساب دینا ہے۔

اللہ ہم سب کو سوشل میڈیائی فتنوں سے محفوظ رکھے اور اس کے درست استعمال کی توفیق بخشے۔ آمین

☆☆☆

(قسط سوم)

امام بخاری رحمہ اللہ اور صحیح بخاری پر تبلیغی اعتراضات کا جائزہ

کفایت اللہ سنابلی

گزشتہ سطور میں صحیح بخاری کے رجال (راویوں) اور صحیح بخاری میں غلطیوں کے عنوان سے معترض کے جتنے اعتراضات تھے ان سب کا جواب دیا جاچکا ہے۔آگے معترض نے امام بخاری رحمہ اللہ کی شخصیت پر اعتراض کرنے کی کوشش کی ہے اس کے جوابات ملاحظہ ہوں:

اعتراض:

اب ملاحظہ فرماویں محدثین کا بخاری شریف پر جرح، امام بخاری کے استاد امام ابوحاتم نے بخاری کے رد میں کتاب لکھی جس میں بتایا کہ ۷۰ راویوں کے بارے میں امام بخاری نے غلطی کھائی ہے۔[خطاء البخاری]

جواب:

یہ سراسر غلط بیانی ہے کہ امام ابوحاتم نے امام بخاری کے رد میں کوئی کتاب لکھی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ امام ابوزرعہ نے امام بخاری کی رجال والی ایک کتاب پر ازخود نظر ثانی کی اور انہوں جو باتیں غلط معلوم ہوئیں ان کی اصلاح کی۔بعد میں امام ابوزرعہ کی اسی کتاب کا جائزہ امام ابوحاتم نے بھی لیا اور کئی مقامات پر امام ابوحاتم نے امام بخاری کے علاوہ خود امام ابوزرعہ ہی کو غلط ٹھہرایا۔

دراصل امام ابوزرعہ کو امام بخاری کی رجال والی جو کتاب ملی اس میں موجود غلطیاں امام بخاری کی طرف سے نہیں تھیں بلکہ اس کتاب کی کتابت کرنے والے ناسخ کی طرف سے تھیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری کی اسی کتاب کے جو دوسرے نسخے ہیں ان میں اس طرح کی غلطیاں نہیں ہیں۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۶۳) فرماتے ہیں:

"وقد جمع عبدالرحمٰن بن أبی حاتم الرازی الأوهام التی أخذها أبو زرعة علی البخاری فی کتاب مفرد ونظرت فیه فوجدت کثیرا منها لا تلزمه وقد حکی عنه فی ذلک الکتاب أشیاء هی مدونة فی تاریخه علی الصواب بخلاف الحکایة عنه"

"عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم الرازی نے ان اوہام کو ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے جنہیں ابوزرعہ نے امام بخاری

پر تعاقب کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ اور میں نے اس کتاب کو دیکھا تو ان میں اکثر باتیں ایسی پائیں جن سے امام بخاری رحمہ اللہ بری ہیں، نیز اس کتاب میں امام بخاری کی طرف منسوب کر کے غلط طور پر ایسی باتیں لکھی گئیں جو امام بخاری کی اپنی کتاب ''التاریخ'' میں اس کے برعکس صحیح طور پر درج ہیں'' [موضح أوهام الجمع والتفريق: ۹/۱]

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ '' خطاء البخاری '' نامی کتاب میں اکثر جن غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے اس سے امام بخاری رحمہ اللہ بری ہیں۔ بلکہ امام بخاری کی متداول کتاب ''التاریخ'' میں وہ باتیں صحیح طور سے درج ہیں جنہیں مذکورہ کتاب ''خطاء البخاری'' میں غلط طور سے نقل کر کے پھر اس کی اصلاح کی گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوزرعہ نے امام بخاری کی کتاب کے جس نسخے کو سامنے رکھ کر نظر ثانی کی ہے وہ نسخہ غیر مستند ہے اس میں موجود غلطیوں کے ذمہ دار امام بخاری رحمہ اللہ نہیں بلکہ اس نسخہ کا ناسخ ہے۔

علامہ معلّمی رحمہ اللہ جنہوں نے '' خطاء البخاری'' نامی کتاب کی تحقیق کی ہے وہ اس کتاب کے بارے میں کیا کہتے ہیں اس کا خلاصہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

۱۔ ''خطاء البخاری'' نامی کتاب میں جن ناموں کے بارے میں غلط بتا کر انہیں صحیح کیا گیا ہے وہ نام امام بخاری کی کتاب '' التاریخ ''میں بغیر کسی غلطی کے صحیح طور سے درج ہیں۔ اور '' خطاء البخاری''نامی کتاب کے آدھے حصہ کا یہی حال ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام ابوزرعہ نے جس نسخہ کو سامنے رکھا تھا اس میں کاتب و ناسخ نے بڑی غلطیاں کی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کئی جگہ امام بخاری کا دفاع کرتے ہوئے امام ابوزرعہ کے تعاقب کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ اس سے بری ہیں۔

۲۔ ''خطاء البخاری'' نامی کتاب میں بعض ایسی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو ''التاریخ'' کے بعض نسخوں میں ویسے ہی غلط طور پر درج ہیں جبکہ بعض دوسرے نسخوں میں صحیح طور پر درج ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ بھی نسخوں کے ناسخوں و کاتبین ہی کی غلطی ہے۔

۳۔ ''خطاء البخاری'' میں بعض ایسی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے جو امام بخاری کی کتاب میں کسی ایک جگہ تو غلط طور پر درج ہیں لیکن کتاب کے اندر ہی دوسرے مقام پر وہ بات صحیح طور سے درج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں بات غلط طور پر درج ہے وہ غلطی امام بخاری کی نہیں بلکہ ان سے اوپر کے کسی راوی کی ہے جس سے امام بخاری نے سند کے ساتھ وہ بات نقل کی ہے۔

اس طرح کے مقامات پر امام بخاری رحمہ اللہ کہیں کہیں خود وضاحت کر کے راجح بات بتا دیتے ہیں اور کہیں توقف اختیار کرتے ہیں اور یہ کوئی غلطی نہیں ہے۔

۴۔ ''خطاء البخاری'' میں بہت ہی کم مقامات پر ایسا ہے کہ امام ابوزرعہ نے کوئی بات غلط طور سے نقل کر کے اس کی اصلاح کی اور امام بخاری کی کتاب میں بھی وہی غلطی اسی طرح موجود ہے۔

لیکن یہاں بھی کئی احتمالات ہیں اول یہ کہ ممکن ہے یہ بھی کاتبوں کی غلطی ہو۔ دوم یہ کہ ممکن ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے اسی طرح نقل کیا ہو جس طرح سنا ہے۔ سوم یہ کہ ہوسکتا ہے کہ وہ غلطی غلطی ہو ہی نہ بلکہ صحیح وہی ہو جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے درج کیا ہے اور امام ابوزرعہ نے جو اسے غلط کہا تو خود امام بوزرعہ ہی کی بات غلط ہو۔ چنانچہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر یہ وضاحت کر رکھی ہے کہ ابوزرعہ نے امام بخاری کی جو بات نقل کی ہے وہی صحیح ہے اور امام ابوزرعہ نے جو تصحیح کی ہے وہ خود غلط ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: خطاء البخاری کا مقدمہ ص د، ھ از علامہ عبدالرحمٰن المعلمی رحمہ اللہ)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ''خطاء البخاری'' نامی کتاب میں امام بخاری کی جو غلطیاں بیان کی گئی ہے ان کی امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف نسبت ہی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کسی اور کی غلطی کو امام بخاری کی غلطی قرار دینا بہت بڑا ظلم ہے۔

اعتراض:

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بخاری شریف کے ۱۲۱۸ احادیث پر اعتراض کیے۔ (الالزامات والتتبع)

جواب:

سب سے پہلے تو معترض کی یہ جسارت دیکھیں کہ اس نے امام دارقطنی کی طرف سے صحیحین کی تنقید شدہ حادیث کی تعداد ایک ہزار دوسو اٹھارہ بتلائی ہے جب کہ التتبع کے مطبوعہ نسخہ میں کل دوسو اٹھارہ احادیث کا حوالہ ہے۔ یعنی ایک ہزار احادیث کا اضافہ معترض کا خود ساختہ ہے۔

معترض نے دوسری غلط بیانی یہ کی کہ امام دارقطنی کی طرف سے تنقید شدہ تمام احادیث کو صحیح بخاری کی حدیث کہہ دیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ امام دارقطنی نے تتبع میں صحیح بخاری کے ساتھ ساتھ صحیح مسلم کی احادیث پر بھی نقد کیا ہے۔ اور اس مجموعہ میں تقریباً اسّی (۸۰) احادیث صحیح بخاری سے ہیں باقی صحیح مسلم کی احادیث ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ معترض نے امام دارقطنی کے نقد کی نوعیت کو بھی چھپا لیا ہے۔ دراصل امام دارقطنی رحمہ اللہ نے تتبع میں مذکور احادیث کی صحت پر اعتراض نہیں کیا ہے بلکہ ان کی سندوں کے معیار پر نقد کیا ہے چونکہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث کے صحیح ہونے کے لیے بہت اعلیٰ معیار کی شرط رکھی ہے اور امام دارقطنی کی

نظر میں بعض احادیث گرچہ صحیح تھیں مگر صحت کے اس معیار پر نہ تھیں اس لیے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ان احادیث کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کی۔

لیکن یہ جو کچھ ہے امام دارقطنی رحمہ اللہ کی اپنی تحقیق ہے ضروری نہیں ہے کہ امام دارقطنی ہی کی بات صحیح ہو اور امام بخاری رحمہ اللہ کی بات غلط ہو بلکہ معاملہ برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ہی کی بات صحیح ہو اور امام دارقطنی رحمہ اللہ سے نقد میں سہو ہوا ہو۔ اور حقیقت میں معاملہ یہی ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے جن احادیث پر نقد کیا ہے ان میں حق امام بخاری ہی کے ساتھ ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح کرتے ہوئے ان تمام احادیث کا ایک ایک کرکے دفاع کیا ہے جن پر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے نقد کیا تھا اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان احادیث سے متعلق امام بخاری کا موقف ہی صحیح ہے۔

اس لیے معترض کا صرف امام دارقطنی کے نقد کرنے سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ غلطی امام بخاری ہی کی ہے یہ غلط ہے۔

اعتراض:

امام بخاری کے اساتذہ ابوحاتم، ابوزرعہ اور محمد بن یحییٰ نے ان سے روایت کرنا چھوڑ دی۔[كتاب الجرح والتعديل ج :۷، ص: ۱۹۱]

جواب:

ان اساتذہ نے امام بخاری کے ضعیف یا غیر حجت کی بنا پر ان سے روایت ترک نہیں کی تھی بلکہ بات یہ تھی کہ بعض لوگوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں یہ افواہ اڑادی تھی کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کو پڑھنے والے میرے الفاظ مخلق ہیں۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں:

"سمع منه أبي، وأبو زرعة، ثم تركا حديثه عندما كتب إليهما محمد بن يحيى النيسابوري أنه أظهر عندهم أن لفظه بالقرآن مخلوق"

"ان (امام بخاری) سے میرے والد اور ابوزرعہ نے سنا ہے پھر ان دونوں نے ان کی حدیث ترک کردی جب ان دونوں کے پاس محمد بن یحییٰ نے یہ لکھ کر بھیجا کہ امام بخاری نے ان کے علاقہ میں یہ کہا ہے کہ ان کے منہ سے نکلنے والے قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں" [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ت المعلمي:۱۹۱/۷]

لیکن سچائی یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا ایسا کوئی موقف تھا ہی نہیں بلکہ کسی نے جھوٹ بول کر ان کے تعلق سے یہ افواہ اڑادی تھی، بعد میں جب امام بخاری رحمہ اللہ کو پتہ چلا کہ ان کے تعلق سے ایسی بات پھیلائی گئی تھی تو امام بخاری

رحمہ اللہ نے کہا:

''من قال عنی إنی قلت لفظی بالقرآن مخلوق فقد کذب''

''جو شخص میرے بارے میں کہے کہ میں نے کہا ہے کہ قرآن کو پڑھنے والے میرے الفاظ مخلوق ہیں اس نے جھوٹ بولا'' [تهذيب التهذيب لابن حجر، ت الهند:۹/ ٥٤]

معلوم ہوا کہ جس بات کی وجہ سے بعض محدثین نے امام بخاری رحمہ اللہ سے روایت ترک کی امام بخاری رحمہ اللہ اس سے بری تھے۔اس لیے اس معاملہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کی ذات پر کوئی عیب نہیں لگتا۔

واضح رہے کہ ایک بے بنیاد بات سے دھوکہ کھا کر گنتی کے دو تین محدثین نے امام بخاری رحمہ اللہ سے روایت ترک کردی تو احناف اسے بڑے مزے لے کر بیان کرتے ہیں لیکن انہیں کون بتائے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف لفظی بالقرآن نہیں بلکہ اصلاً قرآن ہی کو مخلوق ماننے کا فتویٰ منسوب ہے۔اور اس کی وجہ سے بعض محدثین نے انہیں کفریہ عقیدہ والا تک کہہ ڈالا ہے اس بارے میں احناف کیا صفائی دیں گے؟

اعتراض:

امام مسلم کو امام بخاری کے محدث ہونے میں تردد تھا، اپنی صحیح مسلم میں امام بخاری سے کوئی روایت نہی لی۔(مسلم شریف)

جواب:

یہ سراسر جھوٹ اور غلط بیانی ہے۔صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں قطعاً ایسا نہیں کہا ہے۔

اور مقدمہ صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے معاصرت کی بحث میں جن لوگوں پر رد کیا ہے وہاں کسی کا نام نہیں لیا ہے۔بلکہ وہاں ایک ایسے موقف کا رد کیا ہے جو صرف امام بخاری ہی کا نہیں بلکہ اور بھی بہت سے جلیل القدر محدثین کا تھا، مثلاً امام علی ابن المدینی وغیرہ۔تو کیا یہ کہہ دیا جائے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کو علی بن المدینی رحمہ اللہ کے محدث ہونے پر بھی شک تھا؟

ممکن ہے کچھ نا اہل لوگ اسی موقف کو بہت اصرار اور زور وشور سے پیش کریں اور امام مسلم رحمہ اللہ کا روئے سخن انہیں نا اہلوں کی طرف ہو نہ کہ امام بخاری وعلی ابن المدینی کی طرف۔

اور یہ بات معروف ہے کہ اہل علم جب کبار علماء سے اختلاف کرتے ہیں تو اس کا اسلوب الگ ہوتا ہے اور جب نا اہلوں پر رد کرتے ہیں تو وہاں اسلوب الگ ہوتا ہے گرچہ نا اہلوں کی موافقت میں بعض اہل علم کا قول بھی موجود ہو۔

علاوہ بریں بعض محققین کا خیال ہے کہ معاصرت والی بحث میں جس شرط کو امام مسلم نے رد کیا ہے امام بخاری رحمہ اللہ اس کے قائل ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے صحیح بخاری میں کمال صحت کے لیے یہ شرط لگا رکھی تھی نہ کہ نفس صحت کے لیے۔ ایسی صورت میں امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف امام مسلم کے خلاف ہی نہیں تو وہ امام مسلم کے رد کی زد میں کیونکر آ سکتے ہیں؟

بہر حال امام مسلم رحمہ اللہ نے مقدمہ میں کسی بھی محدث کا نام لے کر رد نہیں کیا ہے اس لیے یہاں پر زبردستی امام بخاری رحمہ اللہ کو مراد لینا رجما بالغیب کے علاوہ کچھ نہیں۔

دوسری طرف امام مسلم رحمہ اللہ کے کئی ایسے صریح اقوال ہیں جن میں امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی عظمت ومنقبت بیان کی ہے اور انہیں نہ صرف محدث بلکہ سید المحدثین تسلیم کیا ہے چنانچہ ایک موقع پر امام مسلم رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے کہا:

"دعني حتى أقبل رجليک يا أستاذ الأستاذين وسيد المحدثين وطبيب الحديث في علله"

''مجھے اجازت دیں میں آپ کے قدمین کو بوسہ دوں اے استاذ الاساتذہ، سید المحدثین اور علل حدیث کے طبیب'' [معرفة علوم الحديث للحاكم:ص:١٧٤]

ملاحظہ فرمائیں امام مسلم رحمہ اللہ تو اپنے استاذ امام بخاری رحمہ اللہ کو نہ صرف محدث بلکہ سید المحدثین کہہ رہے ہیں اور احناف یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ امام مسلم کو بخاری کے محدث ہونے میں تردد تھا۔ استغفر اللہ۔

اس طرح کی مجمل اور غیر متعلق باتوں کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا جانے لگے تو کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ بعض محدثین کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلمان ہونے میں تردد تھا چنانچہ امام ابن الجارود رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"أبو حنيفة جل حديثه وهم وقد اختلف في إسلامه"

''ابوحنیفہ کی اکثر حدیث مبنی بر وہم ہے اور اس کے اسلام کے بارے میں اختلاف ہے'' [الانتقاء لابن عبد البر: ص:١٥٠، نقلا عن الضعفاء لابن الجارود]

ہم اس طرح کی بات ہرگز نہیں کہتے لیکن ہم نے یہ بتانے کے لیے اسے نقل کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف زبان درازی کرنے سے پہلے احناف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں سوچ لیں کہ ان کے بارے میں لوگوں نے ہر بات نقل کرنی شروع کر دی تو کیسا ماحول پیدا ہوگا؟

رہا معترض کا یہ کہنا کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں امام بخاری سے کوئی روایت درج نہیں کی ہے تو یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۱۵۵۷ سے متعلق بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنے استاذ

امام بخاری رحمہ اللہ سے سن کر روایت کیا ہے۔دیکھئے:[شرح النووی علیٰ مسلم:۲۱۹/۱۰، غرر الفوائد :ص:۱۵۳، النکت الطراف:۴۱۶/۲]

رہی یہ بات کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں اپنے استاذ امام بخاری سے بکثرت احادیث کیوں روایت نہیں کی ہے؟ تو اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

۱۔امام مسلم رحمہ اللہ امام بخاری کی شاگردی میں جانے سے پہلے ہی اپنی کتاب صحیح مسلم کی تالیف تقریباً مکمل کر چکے تھے۔

۲۔امام مسلم نے امام بخاری سے جو احادیث سنی تھیں انہی احادیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے خود امام بخاری کے اساتذہ سے بھی سن رکھا تھا۔یعنی ان کے پاس عالی سند کے ساتھ یہ احادیث تھیں اس لیے ظاہر ہے کہ وہ عالی سند چھوڑ کر نازل سند سے کیوں روایت کریں گے۔بالخصوص جب کہ ان کی کتاب صحیح مسلم میں صحت کا معیار بلند ہے اور ثقہ رواۃ سے سند جس قدر عالی ہوتی ہے اتنی ہی صحت کے بلند معیار پر ہوتی ہے۔

یہ ہے اصل حقیقت جس کے سبب امام مسلم نے صحیح مسلم میں اپنے استاذ امام بخاری سے زیادہ روایات نہیں لیں اور اس سے یہ قطعاً نہیں ثابت ہوتا کہ امام مسلم کو امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں کسی بھی طرح کا تردد تھا۔

دوسری طرف احناف اپنے امام ابوحنیفہ کو دیکھ لیں ان کی سند والی کوئی حدیث نہ امام مسلم نے لی ہے نہ امام بخاری نے بلکہ صحیح احادیث کا مجموعہ مدون کرنے والے دنیا کے کسی بھی محدث نے امام ابوحنیفہ کی سند والی کوئی حدیث نہیں لی ہے۔اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ امام ابوحنیفہ حدیث میں ضعیف وغیر معتبر تھے جیسا کہ متعدد محدثین نے صراحت کی ہے بلکہ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے تو شہادت دی ہے کہ:

”فلم يبق معتبر من الأئمة إلا تكلم فيه“

”یعنی معتبر ائمہ میں سے کوئی بھی ایسا امام نہیں ہے جس نے ابوحنیفہ پر کلام نہ کیا ہو“[المنتظم لابن الجوزی:۱۴۳/۸]

افسوس ہے کہ جن کے امامِ متبوع کی حالت اس قدر قابل رحم ہو وہ نہ جانے کس منہ سے امام بخاری رحمہ اللہ پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔یہ حضرات کم از کم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ”تقريب التهذيب“ ہی اٹھا کر دیکھ لیں اس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کو ”**جبل الحفظ**“ اور ”**امام الدنيا فى فقه الحديث**“ قرار دیا ہے۔ دیکھیں:[تقريب التهذيب لابن حجر:رقم:۵۷۲۷]

یہاں پر ہمارا یہ مضمون ختم ہوتا ہے جس میں ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ اور صحیح بخاری پر کئے گئے بعض اعتراضات کا جواب دیا ہے۔اللہ رب العالمین ہم سب کو حق بات کہنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق دے آمین۔

ماہ محرم اور کربلائی فکر کی شورشیں

رشید سمیع سلفی (جامعۃ التوحید بھیونڈی)

محرم کی آمد کے ساتھ ہی فضا کا سکوت درہم برہم ہونے لگتا ہے، ڈھول اور باجوں کی گھن گرج گلی اور محلوں کا سکون غارت کردیتی ہے، اسٹیجوں پر بھی موسم بادوباراں شروع ہوجاتا ہے، سوگ اور ماتم کی نحوست عالم انسانیت پر چھاجاتی ہے، ایک جانکاہ تاریخی سانحہ اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ اعصاب پر سوار ہوتا ہے، کربلا اور شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی تصویریں پردۂ ذہن پر ابھرنے لگتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حادثۂ کربلا سے قومی بحران کی جو کھائی وجود میں آئی تھی وہ صدیوں کے ماتم کے بعد بھی پُر نہیں ہوئی؟ رافضی ادیبوں کی خون آشام تحریریں اور مرثیہ نگاروں کے آنسوؤں میں تیرتے الفاظ بھی ملی تاریخ کے اس ناسور کو بھر نہ پائے؟ خون شہادت کے چھینٹے ابھی تک خشک نہیں ہوئے؟ آخر کب تک کربلا کا سانحہ انسانیت کو خون کے آنسو رلاتا رہے گا؟ دین اسلام کا وہ کون سا تقاضا تھا جس سے مجبور ہوکر نام نہاد اسلامیوں نے اس فتنۂ عالم رسا کا دہانہ امت پر وا کیا؟ ایک زخم کو اتنا کریدا کہ شیعیت کی پوری حسیات اس میں سمٹ آئی، دیکھتے دیکھتے سوگ اور ماتم کے ایسے خونچکاں دروازے کھولے گئے کہ عقل انسانی حیران وششدر رہ گئی، اب بات گریبان پھاڑنے، بال نوچنے اور سینہ کوبی سے بہت آگے جاچکی ہے، اب یہ رسم بدتمیزی ترقی کرکے مقابلہ آرائی کے دور میں داخل ہوچکی ہے، جہاں شیعی حب حسین میں نشتر سے اپنے جسم کو لہولہان کرتا ہے اور خودسوزی میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا ہے، دسویں محرم کو ہر گلی کوچے میں کربلا کا خیالی منظر دہرانے کی کوشش کی جاتی ہے، نام نہاد ماتم گاہیں بھی وجود میں آگئی ہوتی ہیں جہاں ''ہائے حسین'' اور ''یا حسین ہم نہ تھے'' کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیا جاتا ہے، حبّ آل بیت کا یہ خونی مظاہرہ شیعیت کی خونی پیاس کو دوآتشہ سے سہ آتشہ کردیتا ہے پھر انہیں تلاش ہوتی ہے انسانیت کے گرم اور تازہ لہو کی جو انہیں اہل سنت کے شریانوں سے فراہم ہوتی ہے، کئی سنی ممالک میں اس کربلائی مخلوق نے خونریزی کا جو بازار گرم کیا ہے وہ اس کی زندہ مثال ہے، انسانی تاریخ کو روافض نے جس طرح خون سے لالہ زار کیا ہے وہ ایک دردناک کہانی ہے، اس کا تذکرہ پھر کبھی، ابھی محرم میں شیعیت کا کچا چٹھا بیان کرنا مقصود ہے۔

ماہ محرم میں رفض وتشیع کا فکری بہاؤ پوری اسلامی تاریخ اور اسلامی تعلیمات کو حاشیے پر لا کھڑا کردیتا ہے، تبھی تو روزہ جو متفقہ طور پر سنتِ رسول اللہ تھا وہ نسیاً منسیاً ہوجاتا ہے اور جگہ جگہ پانی کی سبیلیں لگا کر سنتِ روزہ پر کربلا کی پیاس کو ترجیح دی

جاتی ہے، عقل وذہن کے تانے بانے کارزارِ کربلا سے ایسے الجھا دیئے جاتے ہیں کہ انسان کو آتش وآہن میں حسین اوران کے رفقاء کی مظلومانہ شہادت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، کبھی وہ پیاس سے تڑپتے نظر آتے ہیں، کبھی زخموں سے چور نظر آتے ہیں، کبھی ستر سالہ بزرگ ہونے کے باوجود بہادرانہ صفوں کی صفیں الٹتے نظر آتے ہیں، کبھی گھوڑوں کے کھروں سے روندے جاتے ہیں، کبھی خاک وخون میں ان کی سر بریدہ لاش نظر آتی ہے، پتہ نہیں اچانک یزید کے مسلم فوج کو کیا ہو جاتا ہے کہ وہ رحم ومروت کے سارے تقاضے بھول کر درندہ بن جاتے ہیں اور سفاکیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالتے ہیں، وہ اتنے سنگ دل اور کٹھور بن جاتے ہیں کہ انھیں نواسۂ رسول اور بچوں پر ذرا بھی ترس نہیں آتا، ہر دسویں محرم کو ایک گھمسان کے رن کے بعد نوحہ وماتم کا مانسون گزر جاتا ہے اور شیعیت کی بے چین روح کو جیسے قرار آ جاتا ہے۔

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

افسوس اپنوں کی محبت نے کیا ستم ڈھایا ہے؟ آل بیت کے چاہنے والوں نے پوری دنیا میں حسین کی شہادت کو تماشہ بنا دیا ہے، گلی گلی حسین کی قربانی کو رسوا کیا ہے، آل بیت سے ہونے کی سزا یہ دی گئی کہ ایک بار خاک وخون میں تڑپانے کے بعد بخشا نہیں گیا بلکہ بار بار انہیں خاک وخون میں تڑپایا جاتا ہے۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا　　　نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

آل بیت کی محبت کا قائل کون نہیں؟ ناموسِ خانوادۂ رسول پر مر مٹنے کا شیدائی کون نہیں؟ لیکن یہ محبت دنیوی اغراض ومقاصد کی اسیر بن جائے، شرک وبدعات کا عنوان بن جائے، کون اسلامی تعلیمات پر یقین رکھنے والا ایسا چاہے گا؟ حب آل بیت شریعت کی پاسداری کا جذبہ ہے نہ کہ شریعت کی جگ ہنسائی کا ذریعہ۔

جنون عقیدت اتنا بے لگام ہوا کہ تکمیلِ شریعت کے پچاس سال بعد کا واقعہ شریعت اور وحی آسمانی سے زیادہ اہم ترین قرار پا گیا، اس واقعے کے گرد وپیش میں خرافات کا ایک ناپیدا کنار جنگل پھیلا دیا گیا، بیانِ واقعات میں مبالغہ آرائی انتہاؤں کو چھونے لگی، ان کی دور بین نگاہوں نے خون کی بارش بھی دیکھی، جابجا پتھروں کے نیچے جمے ہوئے خون کا مشاہدہ بھی کیا، آسمان کا لہو رنگ اشک بھی دیکھا، زمین کا شق ہوتا کلیجہ بھی دیکھا، سیدہ فاطمہ بھی عالم برزخ سے نکل کر میدانِ کربلا میں وہ جگہ صاف کرتی نظر آئیں جہاں بیٹا شہید ہو کر گرنے والا تھا، لفظوں پر تو تمہاری حکمرانی ہے، رگ گل سے بلبل کے پر باندھنے کا ہنر تم کو آتا ہے، تمہارا گلشنِ فکر تمہارے اسی ہنر سے پھلتا پھولتا رہا، اسی نقطۂ نظر کے ساتھ فکرِ شیعیت ماہ وسال کی مسافت طے کرتی رہی، اور ماہِ محرم شرک وبدعت سے گھرتا چلا گیا۔

ایک حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہی اسلامی تاریخ اور قربانیوں کا نقطۂ عروج قرار پائی، باقی اسلامی جنگوں کی مایہ

نازشہادتیں طاقِ نسیاں کے حوالے کردی گئیں، پھر سیدالشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ پر بھی نگاہ ناز نہیں ٹھہرتی، وہ حمزہ رضی اللہ عنہ جنہیں بے رحمانہ شہید کیا گیا اور جن کی کٹی پھٹی لاش کو دیکھ کر چشم نبوت سے موج اشک بہہ پڑا تھا، کئی تکبیرات کے ساتھ نبی ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، لیکن آلِ بیت کا یہ مظلوم شہید بھی کربلا کی مخلوق کی نظر میں اہمیت نہیں رکھتا، شہادتِ حسین پر آنسوؤں کا سمندر لنڈھانے والوں کو بئر معونہ کے ستر شہید صحابہ بھی نہیں بھاتے؟ آہ! انہیں پیاس سے تڑپتا ہوا وہ عثمان بھی نظر نہ آیا جو نبی کی ایک آواز پر بئر رومہ کو خرید کر اہل مدینہ پر وقف کر دیتا ہے۔ اسی عثمان پر شیعوں کے باوا آدم ابن سبا کے آدمیوں نے بئر رومہ کا پانی روک دیا تھا۔

لوگوں کی پیاس جس نے بجھائی تمام عمر　　سنتے ہیں آج پیاس سے وہ شخص مر گیا

اب اس عمر کے ساتھ تم انصاف کیوں کرنے لگے جس نے آتش کدۂ ایران کو ٹھنڈا کر دیا تھا، یہی تو تھا جو تمہارے ایران میں دین مجوسیت کی بساط کو الٹ رہا تھا، ظاہر ہے تمہارے مذہب کے قاتل کو شہید نہیں طاغوت ہی ہونا چاہیے، دور نہ جایئے، حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت پر غور کر لیجیے، کیا وہ شہیدِ اسلام نہیں تھے؟ اور کیا وہ جنت کے سردار نہیں تھے؟ کیا وہ آلِ بیت میں سے نہیں تھے؟ لیکن اس شہادت پر بھی شیعیت کے قلزم اشک میں کبھی طغیانی نہیں دیکھی گئی، پوری دنیائے شیعیت شہادتِ حسن پر چین کی بانسری بجا رہی ہے، یہ دوہرا کردار اس لیے کہ یہی لوگ تھے جنہوں نے عالمِ شباب میں اس نواسۂ رسول کو موت کے گھاٹ اتارا تھا، کیونکہ ان کی معاویہ سے صلح نے شیعیت کے نظام فکر کی چولیں ہلا دی تھیں، سبائی فتنہ کے تار پود بکھیر دیئے تھے، اگر اس صلح کے مطابق حالات اور واقعات چل پڑتے تو رفض وتشیع کو فرضی شریعت کی عمارت کھڑی کرنے کیلئے اینٹیں دستیاب نہیں ہوتیں، اسی لیے انہوں نے مستقبل میں صلح کے ہر اقدام کو سبوتاژ کر دیا، یہی موت کے سوداگر تھے جنہوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے پاس پہنچنے سے پہلے شہید کر ڈالا تھا تاکہ حسن کی طرح یہ بھی صلح نہ کر لیں اور ہمارے کیے کرائے پر پانی پھر جائے، حسین کا قتل ضروری ہو گیا تھا نہیں تو کوفیوں کی شامت آجاتی، بلاوجہ لڑائی چھیڑ کر نواسۂ رسول کو قتل کر ڈالا، خطوط کے ثبوت مٹانے کے لیے خیموں کو آگ لگا دی، اور آنکھوں میں مگرمچھ کے آنسو سجا لیے، پھر منکرات وموضوعات کی ایسی بادصرصر چلائی کہ اصل واقعہ کہیں گم ہو کر رہ گیا، یزید بے چارہ مفت میں پھنس گیا، قتلِ حسین کا داغ اپنے دامن سے مٹانے کے لیے اس سے مناسب بہانہ اور کیا تھا کہ سارا کچرا اٹھا کر حاکمِ وقت کے سر ڈال دو، رنگ آمیزی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو، یہ یہودی ذہن کام کر گیا اور لفظی پینترے بازیاں جھوٹ کو سچ بنانے میں کامیاب ہو گئیں۔

اگر یقین نہ آئے تو شہادت کے بعد کی تاریخ پڑھ ڈالیے ایک زمانے تک لوگوں نے یزید کو حضرت حسین رضی اللہ

عنہ کا قاتل مانا ہی نہیں تھا، اس بات کی سچائی کے لیے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وہ جواب ہی کافی ہے جو انہوں نے ایک کوفی کو دیا تھا، جس نے حالت احرام میں مچھر مارنے کا کفارہ پوچھا تھا، آپ نے فرمایا نواسۂ رسول کو مار دیا تو کفارہ نہیں پوچھا اب آیا ہے مچھر مارنے کا کفارہ پوچھنے، اگر اس المیے کی اصل داستاں سامنے ہے تو یہ بھی دیکھ لیجیے گا کہ لٹا پٹا یہ قافلہ یزید ہی کے گھر پہنچتا ہے، اس قافلے کو احترام سے رکھا جاتا ہے، یزید حادثے کے بعد جشن نہیں منا رہا ہے بلکہ بار بار اظہار افسوس کر رہا ہے، ایسے ہی رو رہا تھا جیسے بھائی بھائی کے لیے روتا ہے، محمد بن حنفیہ حسین کے بھائی یزید کی تعریف بھی کر رہے ہیں، دونوں خاندانوں میں مستقبل میں رشتہ داریاں چلی ہیں، حسین رضی اللہ عنہ کے خاندان کی یزید کے خاندان سے اور یزید کی حسین کے خاندان سے، اگر یزید حسین کا قاتل تھا تو نواسۂ رسول کے خاندان نے یہ رواداری اور قربت کیوں دکھائی، کیا وہ اتنے بے حس تھے کہ اپنوں کے قاتلوں سے یارانے بڑھاتے چلے گئے؟ ہرگز نہیں، یہاں تو پشتہا پشت سے خطرناک قسم کی خاندانی دشمنی دکھائی گئی جو نزولِ قرآن کے ایمان افروز دور میں بھی زیر زمین چلتی رہی، موقع پا کر اس دشمنی نے بال و پر نکالے، بالآخر حسین اس خاندانی دشمنی کی نذر ہو گئے، دھیرے دھیرے اس فسانے پر رائے عامہ ہموار کر لیا گیا، اور خطرناک قسم کی اسلام دشمنی حبِّ آلِ بیت کے جلو میں تخریب کا سفر طے کرتی رہی۔

کون کہتا ہے کہ یہ کربلا کا ماتم ہے، یہ شہادت کا سوگ ہے، نہیں بالکل نہیں، یہ تو جشن ہے، چراغاں ہے، یہ تو مسرتوں کا اظہار ہے، تبھی تو ڈھول اور باجوں کی فلک شگاف آوازیں ہیں، کھانے اور پینے کی تقریبات ہیں، میلے اور ٹھیلے ہیں، جلوس اور جھنڈیاں ہیں، شربت اور شیرینیاں ہیں، حلوے اور ٹھنڈے پانی کی سبیلیں ہیں، اے حبِّ آلِ بیت کے متوالو! یہ کیسا ماتم ہے کہ تمہارے طرزِ عمل پر جشن کا گماں گزرتا ہے، لذت کام و دہن کا سامان لگتا ہے، پینے پلانے کا دور چلتا ہے۔

محرم تو اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، وہ اسلامی سال جس کی بنیاد واقعۂ ہجرت پر رکھی گئی تھی، جبکہ تاریخ اسلام کے بڑے بڑے واقعات موجود تھے جن کی طرف اس سن کو منسوب کیا جا سکتا تھا لیکن ہجرت کے اندر جو مضمرات تھے، یا ایثار و فداکاری کے جو شاندار جذبات تھے، وہ نظرِ انتخاب ادھر مبذول کر رہے تھے، مقصد یہ تھا کہ جب جب اسلامی سال کا پہلا مہینہ طلوع ہوگا تو امت نبی اور صحابہ کی ہجرتیں یاد کرے گی، اسلام کے عروج کی تصویر سامنے آئے گی اور دین کے لیے جذبۂ قربانی انگڑائی لے گا، لیکن

یہ امت روایات میں کھو گئی　　حقیقت خرافات میں کھو گئی

اب سن ہجری کا پیغام پس منظر میں چلا گیا، اور افسانہ کربلا کی نیرنگیاں آگے بڑھ گئیں، اب غارِ ثور کی وہ تین راتیں کسے یاد رہ گئیں جن کے بارے میں فاروق اعظم کہا کرتے تھے ابوبکر! غار کی وہ تین راتیں دے دو اور حیاتِ عمر کی

ساری نیکیاں لے لو، اب مکے اور مدینے کے راستوں میں لڑھکتا اور ٹھوکریں کھاتا ہوا وہ بھوکا پیاسا صہیب کسے یاد آئے گا جس کے بارے میں زبان حق ترجمان نے کہا تھا" ربح البيع يا ابا يحيى "، ابویحییٰ پورا سرمایۂ حیات لٹا کر جنت کا سودا کرنا مبارک ہو۔ ام سلمہ اور ابوسلمہ کی مصیبتیں کسے یاد آئیں گی؟ اب دردِ ہجرت کا مارا بسترِ مرض پر تڑپتا ہوا بلال کسے یاد آئے گا جو مدینے میں مکہ کے پہاڑوں اور چشموں کو یاد کر کے روتا تھا اور کہتا تھا۔

ألا ليت شعرى هل أبيتن ليلة بواد وحولى إذخر وجليل

وهل أردن يوما مياهمجنة وهل تبدون ليشامةوطفيل

کاش! میں ایک رات مکہ کی وادی میں گزار سکتا اور میرے چاروں طرف اذخر اور جلیل گھاس ہوتی۔

کاش! ایک دن میں مجنہ کے چشمے پر پہنچتا اور کاش! میں شامہ اور طفیل پہاڑوں کو دیکھ سکتا۔

سچ تو یہ ہے کہ واقعۂ ہجرت بہ تمام وکمال اپنے دامن میں مصائب وآلام کے ایسے ایسے ہزاروں طوفان سموئے ہوئے ہے کہ کربلا کا شور کسی دور جزیرے سے آتا محسوس ہوگا، لیکن منہجِ سلف نے افراط وتفریط سے روکا تھا اور عدل کی باگ نے ہمارے قلم کو پکڑا تھا، اس لیے ہمارے ادیبوں اور شاعروں نے جذبات کے خاموش سمندر میں کبھی سنامی اٹھانے کی کوشش نہیں کی، ایمان کی تازگی اور جذبۂ عمل کی تحریک کے لیے بیانِ واقعات ہی پر اکتفا کرتے رہ گئے۔

ماہ محرم کی شیعی گورکھ دھندوں میں بریلویت شیعوں کے شانہ بشانہ چل رہی ہے، یہ وہی بریلویت ہے جس نے شرک کے چوپٹ دروازے امت پر کھول رکھے ہیں، شریعتِ محمدیہ کو قبروں اور مزاروں کے رحم وکرم پر رکھ چھوڑا ہے، یہ اگر شیعیت کی ذہنی غلام نہ بنتی تو کیا کرتی؟ دونوں کی سرشت قبوری افتادِ طبع کی خوگر ہے، بزرگوں کی ہڈیوں کی تجارت کرنے والے یہ مردہ فروش تھے، ایک نہ ایک دن یہ یکسانیت انہیں تشیع کی بارگاہ میں سجدہ ریز کرنے ہی والی تھی، سو بریلویت کی دیرینہ آرزو بر آئی۔

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

بریلویت کہاں کہاں شیعیت سے بغلگیر ہوئی ہے؟ یہ سلسلہ دراز ہے، شیعی قربت کی گرمجوشی نے عظمتِ صحابہ پر بھی پتھر اچھالے ہیں، امیر معاویہ، عمرو بن عاص مروان وغیرہم تو معتوب تھے ہی لیکن مرورِ ایام کے ساتھ فہرست طویل ہوتی جارہی ہے، وہ دن دور نہیں جب شوخ اور تلون مزاج بریلوی روافض کی خوشنودی کے لیے اکابرین صحابہ پر بھی حملہ آور ہوجائیں گے، شیخین پر بھی ایسے ہی زبان درازی کریں گے جیسے شیعہ کرتے ہیں، پھر دیکھنا محرم کے پرجوش نوحہ و ماتم میں تبرا کے سارے ریکارڈ ٹوٹیں گے، حبِّ آلِ بیت کی ساری شیعی جنوں خیزیاں بھی بریلوی قلابازیوں کے سامنے شرما جائیں گی۔

یہودیت اور شیعیت: نام الگ مگر کام ایک

ابو سفیان بلالی ممبئی

محترم قارئین! ذیل کے چند سطور میں ہم ''شیعیت'' کا موازنہ اس قوم سے کر رہے ہیں جسے اللہ نے سب سے بدترین قوم کہا ہے، جن پر اللہ کا غضب ہے، جو مسلمانوں کے سب سے سخت دشمن ہیں، جنہوں نے اللہ کے انبیاء کو پریشان کیا، اللہ کی ذات پر الزامات لگائے، اللہ کی کتاب کو تبدیل کر کے رکھ دیا اور جو لوگ اپنے مفاد کے حصول کے لیے ہر ممکنہ حد تک جانے کو تیار رہتے ہیں، میری مراد ''یہودیت'' ہے، اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے شیعہ دراصل کافر ہیں، قومِ یہود کے پروردہ اور انہی کی ایجاد کردہ ہیں اور یہ حقیقت تو ہر کسی کو معلوم ہے کہ سانپ کا بچہ سپولا (سانپ) ہی ہوتا ہے، وہ انسان تو ہونے سے رہا۔

یہودیت اور شیعیت کی مشترکہ باتیں:

۱۔ **دین میں غلو اور مبالغہ آرائی:** یہودیوں کی سب سے پہلی صفت جو شیعوں نے اختیار کی وہ ''غلو'' اور ''مبالغہ'' ہے..... جیسا کہ اللہ یہودیوں کے تعلق سے کہتا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ﴾

''یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں.....'' [التوبة: ۳۰]

یہودیوں نے ایک نیک اور صالح انسان کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا، حالانکہ اللہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ ہی کسی کا باپ، نہ ہی اسے ان سب چیزوں کی ضرورت ہے، جس طرح یہودیوں نے اللہ کے بندے عزیر علیہ السلام کے تعلق سے غلو اور مبالغہ سے کام لیا ایسے ہی شیعوں نے اپنے ''ائمہ معصومین'' کے تعلق سے غلو اور مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہودی نسل سے ہونے کی ایک مضبوط دلیل پیش کی، ان کے عقیدے کے مطابق ان کے یہ تمام ائمہ نبی اور رسول ہی کی طرح معصوم ہوتے ہیں، انبیاء و رسل ہی کی طرح امت پر ان کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے یہ تمام انبیاء سے افضل اور رسول اکرم ﷺ کے برابر ہیں.....

چنانچہ ایران کا مقتدر شیعی رہنما آیت اللہ خمینی کہتا ہے:

''وَاِنَّ مِنْ ضَرُوْرِيَّاتِ مَذْهَبِنَا أَنَّ لِاَئِمَّتِنَا مَقَاماً لَا يَبْلُغُهُ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ''

''یعنی ہمارے مذہب (شیعیت) کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام و

مرتبہ حاصل ہے کہ جس تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا'' [الحکومة الاسلامية آيت الله خمينی :۵۲]

اسی طرح سے تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کائنات کی ہر ہر چیز پر اللہ کی حکومت ہے اور تمام چیزیں اس کی مطیع و منقاد ہیں اور یہ شان کسی نبی اور رسول کی بھی نہیں، صرف اللہ کی ہے......لیکن اہلِ تشیع کا غلو اور مبالغہ سے بھرپور یہ عقیدہ ہے کہ:

''فَاِنَّ لِلْاِمَامِ مَقَاماً مَحْمُوْداً وَدَرَجَةً سَامِيَةً وَخِلَافَةً تَكْوِيْنِيَّةً تَخْضَعُ لِوَلَايَتِهَا وَ سَيْطَرَتِهَا جَمِيْعُ ذَرَّاتِ الْكَوْنِ''

''مطلب امام کو مقامِ محمود، بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم اور اقتدار کے آگے سرنگوں ہے'' [الحكومة الإسلامية:۵۲] **نعوذ باللّٰہ من ذالک**

دیکھیں کس قدر ائمہ کی شان میں غلو اور مبالغہ آرائی سے کام لیا جا رہا ہے، بھلا بتائیں کیا ایسی صورت میں اِن میں اور اُن میں کوئی فرق رہ جاتا ہے؟؟

۲۔ اپنے دینی رہنماؤں کو اللہ کے اختیارات سے متصف کرنا:

یہ وہ دوسری صفت ہے جو شیعوں نے یہودی قوم سے وراثت میں حاصل کی ہے، اللہ یہودیوں کی اس صفت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰه''

''کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے دینی پیشواؤں اور علماء کو اپنا رب بنالیا......'' [التوبة :۳۱]

یہ مذموم اور مشرکانہ عقیدہ شیعوں کے یہاں بھی موجود ہے، چنانچہ ''اصول کافی'' کے دو اقتباس آپ ملاحظہ کریں:

۱۔ محمد بن سنان سے روایت ہے کہ انہوں نے محمد بن علی نقی (نویں امام) سے حلال وحرام کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ:

''اے محمد! اللہ ازل سے اپنی وحدانیت میں منفرد رہا، پھر اس نے محمد ﷺ، علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کو پیدا کیا، پھر یہ لوگ ہزاروں سال باقی رہے، اس کے بعد اللہ نے دنیا کی تمام چیزوں کو پیدا کیا، پھر مخلوقات کی تخلیق پر ان حضرات کو گواہ بنایا اور ان کی اطاعت ان تمام مخلوقات پر فرض کی اور ان کے تمام معاملات ان حضرات کے حوالے کر دیئے، اب یہ حضرات جس چیز کو چاہتے ہیں حلال کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں حرام کر دیتے ہیں، اور یہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے......'' [الصافی شرح اصول كافی جزء:۳، جلد :۲، ص:۱۴۹]

واضح رہے کہ اس روایت میں محمد، علی اور فاطمہ سے مراد یہ تینوں حضرات اوران کی نسل سے پیدا ہونے والے تمام ائمہ ہیں۔

۲۔ اصول کافی ہی میں امام جعفر صادق سے روایت ہے:

''وِلَايَتُنَا وِلَايَةُ اللّٰه الَّتِي لَمْ يُبْعَثْ نَبِيٌّ قَطُّ اِلَّا بِهَا''

''ہماری ولایت (یعنی بندوں اور تمام مخلوقات پر ہماری حاکمیت) بعینہٖ اللہ کی ولایت و حاکمیت جیسی ہے، جو نبی بھی اللہ کی طرف سے بھیجا گیا وہ اس کی تبلیغ کا حکم دے کر بھیجا گیا'' [اصول کافی:۲۷۶]

محترم قارئین! دیکھیں ان شیعی روایات کے مطابق ان کے تمام ائمہ الٰہی صفات کے مالک ہیں، انہیں ما کان و ما یکون کا علم ہے، کوئی بھی چیز ان سے مخفی نہیں، ان کے بارے میں غفلت، سہو اور نسیان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، کائنات کے ذرے ذرے پر اللہ کی حکومت جیسی ان کی بھی حکومت ہے، وہ دنیا و آخرت کے مالک ہیں، جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں، حلال و حرام کے فیصلے کی اتھارٹی بھی ان کے پاس ہے اوران جیسے دوسرے مذموم اور مشرکانہ عقائد، انا للّٰه و انا اليه راجعون......کیا اب بھی ان کے کافر ہونے میں کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟؟؟

۳۔ التباس اور کتمان حق:

قرآن مجید کے مطالعہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کے اندر جو خامیاں اور برائیاں ہیں ان میں سے ایک بری صفت یہ بھی ہے کہ وہ حق کو چھپانے والے اور دین کی سچی تعلیمات پر نفاق اور جھوٹ کا پردہ ڈالنے کا جرم کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ اللہ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

''اے اہل کتاب! تم حق کو باطل سے کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو، حالانکہ تمہیں معلوم ہے'' [آل عمران:۷۱]

یہودیوں کی یہ مذموم صفت شیعہ قوم نے بھی اختیار کی، ان لوگوں نے بھی حق کو خلط ملط کرنے اور اسے چھپانے کا کام کیا بلکہ اس معاملے میں یہ اپنے گرو سے بھی دو قدم آگے نظر آتے ہیں، کیونکہ ''التباس'' اور ''کتمان حق'' شیعوں کے نزدیک باقاعدہ ''تقیہ'' اور ''کتمان'' کے عنوان سے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس معاملے میں یہودیوں اور شیعوں کے مابین کچھ فرق ہے تو صرف اس قدر کہ یہود دنیاوی مفاد کے لیے حق کو باطل میں خلط ملط کرنے اور اللہ کی تعلیمات کو پوشیدہ رکھنے کے مجرم تھے یا ہیں جبکہ ان کے یہ معنوی ''سپوت''، یعنی شیعہ حضرات اللہ کی مخلوق کو گمراہ

کرنے کے لیے دینی اور دنیاوی دونوں معاملات میں اپنے باطل عقائد ونظریات کوحق کے لبادے میں چھپا کر پیش کرنے میں مہارت رکھتے ہیں،اس سلسلے کی سینکڑوں مثالیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں بلکہ خودشیعہ علماء نے اس طرح کی مثالیں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں۔

تقیہ اور کتمان کے باب میں ہم یہاں پر شیعوں کی کتاب سے صرف ایک دلیل کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

قَالَ اَبُوْ جَعْفَر عَلَيْهِ السَّلَام:"اَلتَّقِيَّةُ مِنْ دِيْنِیْ وَ دِيْنِیْ آبَائِیْ وَلَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا تَقِيَّةَ لَهُ"

امام باقر ابوجعفر نے فرمایا:''تقیہ میرا اور میرے آباء واجداد کا دین ہے، جو شخص تقیہ نہیں کرتا اس میں ایمان ہی نہیں ہے''[اصول کافی:٤٨٤]

حقیقت یہ ہے کہ''تقیہ''اور''کتمان''کے اس خطرناک عقیدے کے ذریعے یہودی عقائد کو امت مسلمہ میں نافذ کرنے اور مسلمانوں کے درمیان نفاق وتفرقہ کی بیج بونے میں جس قدر کامیابی ہوئی ہے وہ کسی اور ذریعے سے ممکن نہ تھی، ظاہر ہے کہ یہودیت تو براہِ راست مسلمانوں کے قلوب واذہان پر اثر انداز نہ ہوسکتی تھی اس لیے یہودیت نے شیعیت کے روپ میں ایک نئے فرقے کو جنم دیا اور جب یہ فرقہ جوان ہوا تو اس نے مسلمانوں کو مختلف کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس کام میں پوری طرح یہودیوں کی مدد کی اور ان کے لیے اپنے مشن میں کامیابی پانے کا''تقیہ''اور''کتمان'' سے بہتر کوئی اور راستہ نہ تھا اور آج حالت یہ ہے کہ کھلے عام یہ لوگ اپنے معتقدین پر''شیعیت''یا دوسرے لفظوں میں ''یہودیت'' کی دعوت وتبلیغ میں مصروف ہیں اور یہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

۴۔ مسلمانوں سے شدید عداوت ودشمنی:

اس صفت کے تعلق سے قرآن مجید گواہی دیتا ہے کہ''یہودی''مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾

''تم مومنوں کا سب سے سخت دشمن ان لوگوں کو پاؤ گے جو یہودی ہیں اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا''

[المائدۃ:۸۲]

دیکھیں یہ ہے قرآن کی گواہی اور اللہ کی سچی بات۔**﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثاً﴾**

''اور اللہ سے زیادہ سچی بات والا کون ہوگا''؟[سورۃ النساء:۸۷]

یہودیوں کی مسلمانوں سے یہ عداوت ودشمنی ان سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا وجود ختم کردیں،

چنانچہ یہودیوں نے مسلمانوں سے اپنی شدید دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ ان لوگوں نے ''شیعیت'' کے روپ میں آ کر عام مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت اور تبرّا کا محاذ کھول دیا، یہاں تک کہ صحابہء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خیر القرون کے مسلمانوں سے عام لوگوں کو بدظن کرنے کے لیے ہر اُس حربے اور ہتھکنڈے کا استعمال کیا جو ان کے امکان میں تھا، یہاں پر ہم اپنی اس بات کے ثبوت کے لیے خود شیعہ علماء کی کتابوں سے ہی چند مثالیں پیش کیے دیتے ہیں۔

شیعوں کی مسلمانوں خصوصاً صحابہ سے دشمنی کی چند مثالیں:

۱۔ ابوبکر وعمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) تینوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت ترک کر دینے کی وجہ سے ایمان و اسلام سے خارج اور مرتد ہو گئے۔[اصول کافی:۲۶۵]

۲۔ عائشہ وحفصہ (رضی اللہ عنہما) نے رسول اکرم ﷺ کو زہر دے کر شہید کر دیا تھا۔[حیات القلوب، ملا باقر مجلسی:ص:۸۷۰]

۳۔ عائشہ وحفصہ (رضی اللہ عنہما) دونوں بد بخت ہیں۔معاذ اللہ[حیات القلوب، ملا باقر مجلسی:۷۴۲]

۴۔ ان دونوں (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام بنی آدم کی لعنت ہو۔[کتاب الروضة، ابو جعفر کلیدی:۱۱۵]

۵۔ مہدی علیہ السلام جب ظاہر ہوں گے تو عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو زندہ کر کے ان پر حد جاری کریں گے اور فاطمہ کا انتقام ان سے لیں گے۔[حق الیقین، ملا باقر مجلسی:۱۳۹]

۶۔ مہدی جب ظاہر ہوں گے تو وہ کافروں سے پہلے سنّیوں اور خاص کر ان کے عالموں سے کارروائی شروع کریں گے اور ان سب کو قتل کر کے نیست ونابود کر دیں گے۔[حق الیقین، ملا باقر مجلسی:۱۳۸]

محترم قارئین! مذکورہ چند مثالیں صرف نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہیں ورنہ یہودیت اور شیعیت کی مشترکہ باتوں کی فہرست لمبی ہے مگر آپ انہی چند مثالوں سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شیعیت اسلام اور عالمِ اسلام کے لیے کس قدر خطرناک گروپ ہے اور صحابہء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ان کے کس قدر گندے خیالات اور عقائد ہیں۔

اللہ امت اسلام کو یہودیت اور شیعیت کی سازشوں اور چالوں سے محفوظ رکھے اور منہجِ صحابہ اختیار کرنے کی توفیق دے۔ آمین

سیدنا علی اور حسن وحسین (رضی اللہ عنہم) کے ناموں کے ساتھ ''علیہ السلام'' کا استعمال

تحریر: محمد صالح حسن

شیعہ کی طرح اہلِ سنت کے بعض حلقے بھی مخصوص صحابہ کرام یعنی سیدنا علی، حسن وحسین اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ''علیہ السلام'' کے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ شیعی نظریات سے شعوری یا غیر شعوری طور پر متاثر ہونا اور اہلِ بیت کی محبت میں غلو وافراط ہے۔

شیعہ کے یہاں اہل بیت، انبیاء کی طرح معصوم ہیں، پھر ان کے یہاں عقیدہ امامت بھی موجود ہے جو صریح غیر اسلامی عقائد پر مشتمل ہے۔

اہلِ سنت نے ان شیعی علامات کو کبھی قبول نہیں کیا۔ لیکن شیعی لٹریچر، ذاکروں کے بیانات اور ان کی تقاریر میں اپنے ان مخصوص نظریات کی ترجمانی سے جہاں عوام متاثر ہوئی، وہیں کچھ خواص بھی اس کا شکار ہو گئے اور تساہل یا لاعلمی سے اہل سنت خطباء اور واعظین بھی سیدنا علی، حسن وحسین اور فاطمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ''امام'' اور ''علیہ السلام'' کے الفاظ استعمال کرنے لگے جو کبھی اہل سنت کے حلقوں میں شیعہ کی پہچان سمجھے جاتے تھے۔

اہل سنت صحابۂ کرام میں فرقِ مراتب کے باوجود خلفائے راشدین، مہاجر وانصار، بدری صحابہ، شرکائے بیعتِ رضوان اور عشرۂ مبشرہ سمیت تمام صحابۂ کرام کے لیے ''رضی اللہ عنہ'' کا استعمال کرتے ہیں اور یہی درست ہے۔

مفسرِ قرآن اور مایہ ناز اہل حدیث عالم شیخ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اسی طرح اہل سنت کی اکثریت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلا سوچے سمجھے ''امام حسین علیہ السلام'' بولتی ہے، حالانکہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''امام'' کا لفظ بولنا اور اسی طرح ''رضی اللہ عنہ'' کے بجائے ''علیہ السلام'' کہنا بھی شیعیت ہے۔ ہم تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عزت واحترام کے لیے ''حضرت'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ، کو ہم کبھی ''امام ابوبکر صدیق، امام عمر'' نہیں بولتے۔ اسی طرح ہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کے بعد ''رضی اللہ عنہ'' لکھتے اور بولتے ہیں اور کبھی ''ابوبکر صدیق علیہ السلام یا حضرت عمر علیہ السلام'' نہیں بولتے، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کے بجائے ''علیہ السلام'' بولتے ہیں۔ کبھی اس پر بھی غور کیا کہ ایسا کیوں ہے؟

دراصل یہ شیعیت کا وہ اثر ہے جو غیر شعوری طور پر ہمارے اندر داخل ہو گیا ہے، اس لیے یاد رکھیے کہ چوں کہ شیعوں

کا ایک بنیادی مسئلہ ''امامت'' کا بھی ہے اور امام ان کے نزدیک انبیاء کی طرح من جانب اللہ نامزد اور معصوم ہوتا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کے بارہ اماموں میں سے ایک امام ہیں، اس لیے ان کے لیے ''امام'' کا لفظ بولتے ہیں اور اسی طرح ان کے لیے ''علیہ السلام'' لکھتے اور بولتے ہیں۔ ہمارے نزدیک وہ ایک صحابیِ رسول ہیں، امامِ معصوم نہیں، نہ ہم شیعوں کی امامتِ معصومہ کے قائل ہی ہیں۔ اس لیے ہمیں انہیں دیگر صحابہ کرام کی طرح ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' لکھنا اور بولنا چاہیے، ''امام حسین علیہ السلام'' نہیں، کیوں کہ یہ شیعوں کے معلوم عقائد اور مخصوص تکنیک کے غماز ہیں۔'' (رسومات محرم الحرام: ص: ۳۰)

بعض لوگ بہ طور دلیل کتب حدیث میں مرقوم مخصوص صحابہ کرام کے لیے لکھے گئے علیہ السلام کے الفاظ پیش کرتے ہیں تو واضح رہے کہ بعض کتبِ حدیث وغیرہ میں عام طور پر ایسے الفاظ اور علامات مؤلفین کی طرف سے نہیں لکھے گئے بلکہ بعد میں ان کتب کو نقل کر کے لکھنے والے دکانداروں یا ناسخین کی طرف سے رضی اللہ عنہ کی جگہ شامل کیے گئے ہیں جس کی ایک دلیل اس مضمون کے نیچے تصویر میں دیکھی جاسکتی ہے۔

محقق اہل حدیث مولانا عبدالخالق قدوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بہت سے علماء اور اہلِ سنت بھی تساہلاً یا ماحول سے تاثر کی بنا پر حضرت علی اور ان کے بیٹوں کے ناموں پر ''علیہ السلام'' کا لفظ تحریر کر دیتے ہیں جس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ اگرچہ ہمارے نزدیک ایسا لکھنا درست نہیں۔ نیز اس کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ناقلین نے ایسا لکھ دیا ہو، مصنف کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔'' (مقالات مولانا عبدالخالق قدوسی: ص: ۱۲۶)

نیز سنن نسائی کے شارح محدث العصر مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایک مغالطہ لوگوں کو یہ دیا جاتا ہے کہ فلاں عالم نے فلاں صحابی کے لیے ''علیہ السلام'' لکھا اور فلاں غیر صحابی کے لیے ''رضی اللہ عنہ'' استعمال کیا ہے، ہم عرض کریں گے کہ واقعی بعض علماء نے اسی طرح لکھا ہے، لیکن اس کی وجہ محض سہل نگاری ہے یا عقیدت میں افراط۔ ان کی نظر شاید لغت ہی پر رہی لیکن جمہور علمائے سلف وخلف نے ایسا نہیں کیا ہے اور دلائل کے لحاظ سے یہی مسلک صحیح اور برحق ہے۔'' (آثار حنیف بھوجیانی: ۱/۲۳۶)

نیز حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وقد غلب هذا في عبارة كثير من النساخ للكتب، أن يفرد على رضي الله عنه، بأن يقال: ''عليه السلام''، من دون سائر الصحابة، أو ''كرم الله وجهه'' وهذا وإن كان معناه صحيحا، لكن

ينبغي أن يساوى بين الصحابة فى ذٰلک، فإن هذا من باب التعظيم والتكريم، فالشيخان وأمير المؤمنين عثمان بن عفان أولى بذلک منه، رضى اللّٰه عنهم أجمعين"

یعنی بہت سے ناقلینِ کتب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ خصوصی طور پر (علی) ''علیہ السلام'' یا ''کرم اللہ وجہہ'' لکھتے ہیں، جب کہ دیگر تمام صحابۂ کرام کے لیے ایسا نہیں لکھتے۔ معنی کے لحاظ سے یہ درست سہی، تاہم تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تکریم وتعظیم کے لیے ایک جیسے ہی الفاظ استعمال کرنا چاہیے۔ اگر امتیازی الفاظ کی اجازت دی جائے تو سب سے زیادہ اس کے مستحق حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ [تفسیر ابن کثیر:٦/٤٧٨]

امام محی الدین نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقال الشيخ أبو محمد الجوينى من أصحابنا:هو فى معنى الصلاة ، فلا يستعمل فى الغائب ، فلا يفرد به غير الأنبياء ، فلا يقال :على عليه السلام ، وسواء فى هذا الأحياء والأموات.انتهى مختصرا.

ہمارے اصحاب میں شیخ ابومحمد الجوینی نے کہا ہے: سلام، یہ صلاۃ کے معنی میں ہے، لہٰذا یہ کسی غیر موجود کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا۔ اس کا استعمال انبیاء کے علاوہ کسی کے ساتھ نہ کیا جائے۔ چنانچہ علی علیہ السلام کہنا درست نہیں۔ یہ لفظ (علیہ السلام) زندہ اور فوت شدہ (غیر انبیاء) دونوں کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ [الأذكار: ص: ١١٨]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے اس بابت استفسار کیا گیا تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"لا ينبغى تخصيص على رضى اللّٰه عنه بهذا اللفظ، بل المشروع أن يقال فى حقه وحق غيره من الصحابة رضى اللّٰه عنهم أو رحمهم اللّٰه، لعدم الدليل على تخصيصه بذلک، وهكذا قول بعضهم (كرم اللّٰه وجهه)، فإن ذلک لا دليل عليه ولا وجه لتخصيصه بذلک، والأفضل أن يعامل كغيره من الخلفاء الراشدين، ولا يخص بشىء دونهم من الألفاظ التى لا دليل عليها"

''حضرت علی کے لیے ''علیہ السلام'' کے الفاظ کی تخصیص کرنا درست نہیں بلکہ آپ کے حق میں اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ''رضی اللہ عنہم'' کے الفاظ استعمال کرنا مشروع ہے یا ''رحمۃ اللہ علیہم'' کے الفاظ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ بہ طور خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ''علیہ السلام'' یا ''کرم اللہ وجہہ'' کے الفاظ استعمال کرنے کی کوئی

دلیل نہیں ہے، لہٰذا افضل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ کے لیے بھی وہی الفاظ استعمال کیے جائیں جو دیگر خلفائے راشدین کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ ان کے لیے بہ طور خاص استعمال نہ کیے جائیں جن کی کوئی دلیل نہیں ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ ومقالات:۶/۳۹۹)

نیز مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی فرماتے ہیں:

''اہل سنت کے کسی حلقے کی طرف سے حضرت علی، حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے لیے ''علیہ السلام'' کا استعمال شعوری یا غیر شعوری طور پر شیعی نقطۂ نظر کے فروغ کا باعث ہے، جس سے اجتناب ضروری ہے۔'' (آثار حنیف بھوجیانی: ۱/۲۳۷)

علاوہ ازیں شیخ الحدیث مفتی عبید اللہ خان عفیف حفظہ اللہ کا بھی اس بابت یہی موقف ہے جیسا کہ ایک سائل کے سوال پر انہوں نے وضاحت کی ہے۔

اسی طرح حافظ نور الدین صابونی الحنفی لکھتے ہیں:

''اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت میں سے کسی کے لیے ''الصلاۃ'' یا ''السلام'' کا استعمال جائز نہیں ہے حتیٰ کہ سیدنا علی یا حسن یا حسین یا عباس علیہ الصلاۃ، علیہ السلام یا صلوات اللہ علیہ بھی نہیں کہا جائے گا، اسی طرح جملہ اہل بیت کا معاملہ ہے بلکہ ہم ''اہل بیت رضوان اللہ اجمعین'' کہیں گے۔ صرف اہل بیت کے لیے ''الصلاۃ والسلام'' کا استعمال رافضیوں اور اہل بدعت کا شعار ہے۔ وہ ''الصلاۃ والسلام'' کے ذریعے سے دوسرے تمام صحابہ کے درمیان انہیں ممتاز کرتے ہیں۔'' (المنتقیٰ من عصمۃ الانبیاء)

محتاط بریلوی و دیوبندی علماء بھی غیر نبی کے ساتھ ''علیہ السلام'' کے استعمال سے منع کرتے ہیں اور اسے شعارِ شیعہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ معروف دیوبندی مفتی محمود حسن گنگوہی لکھتے ہیں:

''ملا علی قاری نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ''علیہ السلام'' لکھنے کو شعارِ شیعہ واہلِ بدعت فرمایا ہے، اس لیے وہ منع فرماتے ہیں۔۔'' (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۱۴۵)

ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''قرآن کریم نے صحابۂ کرام کے لیے ''رضی اللہ تعالیٰ عنہم'' کا لفظ استعمال کیا ہے، بعض صحابہ کے لیے نبی کریم ﷺ نے بھی ان کی وفات (شہادت) پر یہ لفظ ارشاد فرمایا ہے، اور صحابہ وتابعین کے زمانے میں ذرا زیادہ یہ لفظ مستعمل ہوا، پھر عام ہوگیا۔ انبیاء علیہم السلام کے لیے لفظ ''علیہ السلام'' دورِ نبوی ہی میں زیادہ مستعمل تھا، صحابۂ کرام بھی

استعمال فرماتے تھے اور بعد کے حضرات بھی۔'' (فتاویٰ محمودیہ:۱۹/۱۴۶۔۱۴۷)

مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں:

''اہل سنت والجماعت کے یہاں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اور ''علیہ السلام'' انبیائے کرام کے لیے لکھا جاتا ہے، صحابہ کرام کے لیے ''رضی اللہ عنہ'' لکھنا چاہیے۔'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۱/۲۰۲)

بریلوی ''صدر الشریعہ'' مفتی امجد علی اعظمی اور ان کی موافقت میں مولانا الیاس قادری صاحب نے اس سے منع کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''سوال: غیر نبی کے ساتھ ''علیہ السلام'' لکھنا اور بولنا کیسا ہے؟

جواب: منع ہے۔ (اس کے بعد لکھتے ہیں کہ بریلوی صدر الشریعہ امجد علی اعظمی) کی خدمت میں سوال ہوا: یا حسین علیہ السلام کہنا جائز ہے یا نہیں اور ایسا لکھنا بھی کیسا ہے اور پکارنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ سلام جو نام کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے یہ (علیہ السلام کہنا، لکھنا) سلامِ تحیّت (ملاقات کا سلام) نہیں جو باہم ملاقات کے وقت کہا جاتا ہے، یا کسی ذریعے سے کہلایا جاتا ہے، بلکہ اس (علیہ السلام) سے مقصود صاحبِ اسم (جس کا نام ہے اُس) کی تعظیم ہے۔ عرفِ اہلِ اسلام نے اس (علیہ السلام لکھنے بولنے) کو انبیاء و ملائکہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ لہٰذا غیر نبی و ملک (نبی اور فرشتے کے علاوہ) کے نام کے ساتھ ''علیہ السلام'' نہیں کہنا چاہیے۔''

(کفریہ کلمات کے بارے میں سوال و جواب: ص:۲۴۳۔۲۴۴، فتاویٰ امجدیہ:۴/۲۴۳، ۲۴۵)

لفظ ''عالم'' کا صحیح معنوں میں مصداق کون؟

جمیل احمد ضمیر سنابلی مدنی ترجمہ: آفاق احمد شبیر احمد سنابلی

کسی لفظ کا بے محل استعمال اور کسی اسم کا غیر مسمی پر اطلاق ایک قسم کا ظلم ہے جس میں کوئی بھی صاحبِ عقل شک وشبہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ ایک طرح سے حقیقت میں الٹ پھیر، امانت میں خیانت اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا نیز انہیں لفظ کے صحیح معنی ومفہوم کے تئیں گمراہ کرنا ہے۔

اسی ضمن میں ایک لفظ ''عالم'' بھی ہے جو ہر کس وناکس کے حق میں بے جا استعمال کیے جانے کے ناطے اس قدر مظلومیت کا شکار ہو چکا ہے کہ عوام تو کجا بہت سارے طلبۂ علم کی نگاہوں سے بھی اس کا حقیقی معنیٰ اوجھل ہوکر رہ گیا ہے۔ آج کل تو اس کا استعمال اس قدر غیر موزوں ہو چکا ہے کہ اسے دیکھ کر علم وحقیقت خود پانی پانی ہوجائے۔

چنانچہ اس کا اطلاق ہر اس شخص پر کیا جانے لگا ہے جو کسی دینی مدرسہ کا فارغ التحصیل ہو یا اسے شرعی علوم میں شد بد ہو یا اس کے پاس شرعی علوم کی کوئی سند (ڈگری) ہو یا اس نے گنے چنے چند مسائل کا دراسہ کیا ہو، یا دینی موضوعات پر اس کی کچھ تقریریں ہوں یا اس نے اپنی مادری زبان میں عامۃ الناس کے لیے علماء کے چند فتوے نقل کردیئے ہوں گرچہ وہ ان فتوؤں کی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر ہو یا وہ کسی مدرسہ میں دینیات کا استاذ ہو یا دعوت وتبلیغ کے میدان سے منسلک ہو، گرچہ اس کا پورا انحصار علماء کے افکار واستنباطات پر ہو، ہر چھوٹے بڑے مسئلہ میں ان کی تحقیقات کا محتاج ہو اور ہنوز اس کے اندر اتنی صلاحیت پیدا ہی نہ ہوئی ہو کہ اسے اس اعلیٰ وارفع مقام کا اہل قرار دیا جاسکے۔

بلکہ بسا اوقات کسی مشہور ومقبول عالم کی لکھی ہوئی کسی تحریر کی تلخیص کرکے یا کسی موضوع پر متفرق علمی مواد کو یکجا کرکے بعض حضرات اس خوش فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں کہ اب وہ علم کے اس مقام تک پہنچ گئے ہیں کہ انہیں طبقہ علماء میں شمار کیا جائے۔

واقعتاً یہ افسوس ناک اور تکلیف دہ صورت حال ہے جس سے بڑی حکمت عملی اور سوجھ بوجھ کے ساتھ نمٹنے کی ضرورت ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے شرور وفتن غالب آجائیں پھر اس کی اصلاح دشوار ہوجائے۔

انہی امور کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود مناسب سمجھا کہ اس اہم مسئلہ سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے اور ان امور کی وضاحت کی جائے جو اس عظیم منصب کے حصول کے لئے لازمی طور پر مطلوب ہیں ۔اس سے مقصود اپنے آپ کو اور طلب علم میں مصروف بھائیوں کو اس امر پر ابھارنا ہے کہ ہم اس مقام کو پانے کے لیے خود کو جہد مسلسل کا عنوان بنا لیں۔

سب سے پہلے ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ کسی بھی فن کا عالم اسے کہیں گے جس کے اندر درج ذیل چار شرطیں موجود ہوں:

۱۔ اسے اس فن کے اصول کا مکمل علم ہو۔

۲۔ اس فن کی تعبیر وتشریح پر قادر ہو۔

۳۔ اس فن کے لوازمات سے وہ واقف ہو۔

۴۔ اس فن پر کیے جانے والے اعتراضات اور اشکالات کو دور کرنے پر اسے قدرت ہو۔[الإفادات والإنشادات للشاطبی :ص:۱۰۷]

علامہ شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:''**من شروطهم فی العالم بأیّ علمٍ اتفق: أن یکون عارفًا بأصوله، وما ینبنی علیه ذلک العلم، قادرًا علی التعبیر عن مقصوده فیه، عارفًا بما یلزم عنه، قائمًا علی دفع الشبه الواردة علیه فیه**''

''کوئی شخص کسی فن کا عالم اسی وقت کہا جائے گا جب اس کے یہاں یہ شرائط پائی جائیں۔وہ شخص اس علم کے اصول سے واقف ہو۔اس فن میں اپنے مقصود کو بحسن وخوبی بیان کرنے کا ملکہ رکھتا ہو۔اس کے لوازمات کو بھی جانتا ہو اور اس فن پر وارد ہونے والے شبہات واعتراضات کے ازالہ پر بھی قادر ہو''[الموافقات: ۱/۱۴۰]

اس اعتبار سے شرعی عالم وہ ہے جسے شرعی احکام کی معرفت اور ان کے بنیادی اصول سے واقفیت ہو اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اس کے پاس قرآن کا اتنا علم ہو جس کے ذریعہ وہ اس کے اندر موجود شرعی احکامات محکم متشابہ،عموم خصوص، مجمل مفسر،اور ناسخ منسوخ کو صحیح طور پر سمجھ سکتا ہو۔

۲۔سنت رسول یعنی آپ ﷺ سے ثابت اقوال وافعال کی معرفت اسے حاصل ہو،اسناد حدیث کے متعلق یہ جانکاری ہو کہ کون سی حدیث آحاد کے قبیل سے ہے اور کون سی متواتر ہے اور کون صحیح ہے اور کون ضعیف،اسی طرح

ان احادیث میں کون سی احادیث علی الاطلاق وارد ہوئی ہیں اور کون سی احادیث کسی سبب کی بنیاد پر وارد ہوئی ہیں۔

۳۔ سلف کے اجماع واختلاف سے متعلق ان کے اقوال سے واقف ہوتا کہ اجماع میں ان کی پیروی کر سکے اور اختلاف کے وقت اجتہاد کر سکے۔

۴۔ قیاس کی جانکاری ہوتا کہ جن فروعی مسائل کے بارے میں نص صریح وارد نہیں ہے انہیں منصوص ومجمع علیہ اصول کی طرف لوٹا سکے۔

اور ایک انسان ان اصول کو جاننے کا کما حقہ اہل اسی وقت ہوسکتا ہے جب وہ عربی علوم (نحو، صرف، بلاغہ)، اصول فقہ اور مصطلح الحدیث کا مطلوبہ علم حاصل کر لے۔[الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادي:٢/٢٣٠-٢٣١]

علوم عربیہ کو حاصل کرنا اس لیے ضروری ہے کیونکہ قرآن وحدیث عربی زبان ہی میں ہیں لہٰذا عربی زبان وقواعد میں مطلوبہ مہارت حاصل کیے بغیر قرآن وحدیث کو کما حقہ سمجھنا اوران کے احکام ومقاصد سے واقف ہونا ممکن نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:''لا يَعلم مِن إيضاح جُمَل علم الكتاب أحدٌ جهل سعةَ لسان العرب، وكثرةَ وجوهه، وجِماعَ معانيه، وتفرُّقَها''[الرسالة:ص:٥٠]

جوشخص عربی زبان کی وسعت،اس کی کثیر تعبیرات،اوران کے معانی کے اتفاق واختلاف کو نہیں جانے گا وہ قرآن مجید کے چند جملوں کی وضاحت وتفسیر کو نہیں جان سکتا۔

امام الحرمین امام جوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''إنّ شريعة المصطفى صلى الله عليه وسلم، مُتلقّاها ومُستقاها الكتابُ والسننُ، وآثارُ الصحابة ووقائعُهم، وأقضيتُهم في الأحكام، وكُلُّها بأفصح اللغات، وأشرف العبارات، ولا بد من الارتواء من العربية، فهي الذريعةُ إلى مدارك الشريعة''

''شریعت محمدیہ کے مآخذ وسرچشمے کتاب وسنت،صحابہ کرام کے آثار وواقعات اوراحکام میں ان کے فیصلے ہیں۔ اور یہ سب فصیح ترین زبان اورعمدہ ترین پیرایۂ بیان میں ہیں۔بنابریں عربی زبان میں درک حاصل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ شریعت کے احکام ومقاصد کی معرفت کا یہی ذریعہ ووسیلہ ہے''[غياث الأمم في التياث الظلم :ص:٤٠٠]

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''إنّ نفس اللغة العربية من الدين، ومعرفتها فرض واجب، فإنّ فهم الكتاب والسنة فرض، ولا يفهم إلا بفهم اللغة العربية، وما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب.ثم

منها ما هو واجبٌ على الأعيان، ومنها ما هو واجبٌ على الكفاية"

''عربی زبان بذات خود دین کا حصہ ہے،لہٰذا عربی زبان کو جاننا واجب ہے۔کیونکہ کتاب وسنت کا سمجھنا فرض ہے، اور کتاب وسنت کو عربی زبان کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔لہٰذا جس کے بغیر واجب کی ادائیگی نہ ہوتو وہ بھی واجب ہو جاتا ہے۔اور عربی زبان میں کچھ کا سیکھنا واجب عینی یعنی ہر شخص پر واجب ہے اور کچھ فرض کفایہ ہے'' [اقتضاء الصراط المستقیم :۱/ ۵۲۷]

واجب عینی کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''**فعلى كلِّ مسلمٍ أن يتعلّم من لسان العرب ما بلغه جهده، حتى يشهد به أن لا إله إلا الله، وأن محمّدًا عبده ورسوله، ويتلو به كتاب الله، وينطق بالذكر فيما افترض عليه من التكبير، وأمر به من التسبيح، والتشهد، وغير ذلك. وما ازداد من العلم باللسان، الذى جعله الله لسانَ مَن ختم به نبوته، وأنزل به آخرَ كتبه، كان خيرًا له**''

''ہر مسلمان پر کم از کم اتنی عربی زبان سیکھنا واجب ہے کہ وہ شہادتین کا اقرار اور کتاب اللہ کی تلاوت کر سکے نیز تسبیح وتکبیر اور تشہد وغیرہ جیسے واجبی ذکر واذکار کی ادائیگی بھی وہ عربی میں کر سکے اور جو شخص اس زبان کو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کی زبان قرار دیا اور جس میں اپنی آخری کتاب نازل فرمائی جتنا زیادہ سیکھ لے تو اس کے لیے اتنا ہی بہتر ہے'' [الرسالة: ص:٤٧]

واجب عینی کے بعد فرض کفایہ کی طرف آتے ہیں جس کا یہاں بیان کرنا اصل مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو عربی زبان میں اتنا درک حاصل ہو کہ وہ کلام عرب اور ان کے طریقۂ استعمال کو بآسانی سمجھ سکتا ہو۔تاکہ وہ ان کے کلام میں صریح وظاہر،حقیقت ومجاز،عام وخاص اور منطوق ومفہوم کے مابین تمیز کر سکے۔الغرض یہ کہ اس کے اندر عربی زبان میں اتنا ملکہ پیدا ہو جائے کہ کتاب اللہ،سنت رسول اور ائمہ کے کلام کو سمجھنے میں اس کی فہم پر اعتماد کیا جاسکے اور اس بات کا غالب گمان ہو جائے کہ اس کی فہم درست ہے گرچہ اسے کتابوں کی طرف رجوع ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔[المستصفى للغزالى :ص:٣٤٤][وتحقيق الكلام فى المسائل الثلاث للمعلمى:ص:٤٥]

تاہم خلیل ومبرد جیسے ماہرین زبان کے رتبہ کو پہنچنا یا پوری عربی زبان کا احاطہ،اسی طرح علم نحو کی باریکیوں اور گہرائیوں سے واقفیت شرط نہیں بلکہ مقاصد کلام کے حقائق کا ادراک کافی ہے۔انظر:[المستصفى :ص:٣٤٤]

امام الحرمین رحمہ اللہ کہتے ہیں:''**لا يُشترط التعمّقُ والتبحُّر فيها حتى يصير الرجل علّامة العرب،**

ولا يقع الاكتفاء بالاستطراف، وتحصيل المبادء والأطراف، بل القولُ الضابطُ فی ذلک أن يُحصّل من اللغة والعربية، ما يترقّی به عن رتبة المقلّدين فی معرفة الكتاب والسنة، وهذا يستدعی منصبًا وسطًا فی علم اللغة والعربية"

''عربی زبان میں اتنی بھی باریک بینی اور تبحر شرط نہیں کہ وہ علامہ عرب بن جائے، تاہم صرف مبادیات اور سرسری معلومات کافی نہیں۔اس تعلق سے سیدھا سادا ضابطہ یہ ہے کہ وہ عربی زبان وقواعد اس قدر سیکھ لے جس سے کتاب وسنت کو سمجھنے میں مقلدین کے مرتبہ سے اوپر اٹھ جائے اور یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ عربی زبان وقواعد کی معرفت میں وہ کم ازکم متوسط درجہ کی صلاحیت کا حامل ہو''۔[غياث الأمم فی الُتياث الظلم:ص:٤٠٣]

اس کے بعد اصول فقہ کا علم اس لیے ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعہ دلائل کی روشنی میں بالکل ٹھیک ٹھیک شرعی احکامات کے استنباط کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔[الأصول من علم الأصول لابن عثيمين: ص:٩]

علامہ سمعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:"**أصول الفقه عند الفقهاء هی طريقُ الفقه التی يُؤدِّی الاستدلالُ بها إلى معرفة الأحكام الشرعية**"

''اصول فقہ سے مراد فقہاء کے نزدیک، فقہ کا وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ شرعی احکامات کا استنباط کیا جاتا ہے''

[قواطع الأدلة فی الأصول:٢١/١]بتصرف يسير.

صحیح اور ضعیف احادیث کو جاننے کے لیے ''مصطلح الحدیث'' کا جاننا ضروری ہے کیونکہ شرعی احکام میں ضعیف احادیث پر عمل جائز نہیں ہے لہٰذا اگر کسی کو صحیح اور ضعیف، مقبول اور معلول احادیث کی جانکاری نہیں ہوگی تو کوئی بعید نہیں کہ وہ ضعیف احادیث سے استدلال کر بیٹھے پھر شریعت کی جانب ایسی چیز کی نسبت کردے جو شریعت کا حصہ نہیں ہے۔لہٰذا ایک عالم دین کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ کون سی احادیث قابل حجت ہیں اور کون سی احادیث قابل حجت نہیں ہیں۔

امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کہتے ہیں:"**إنّ العالم إذا لم يعرف الصحيح والسقيم، والناسخ والمنسوخ من الحديث، لا يُسمَّى عالِمًا**"

اگر کسی عالم کے پاس صحیح اور ضعیف ناسخ اور منسوخ احادیث کا علم نہیں ہے تو اسے عالم نہیں کہا جائے گا۔[معرفة علوم الحديث للحاكم:ص:٦٠]

اب جسے مذکورہ علوم کے متعلق معتد بہ علم حاصل ہوجائے یہاں تک کہ اس کے استنباط پر اعتماد کیا جاسکے اور ظن

غالب یہ ہو کہ اس کے یہاں غلطی کا امکان کم ہوگا گرچہ کتابوں کا مراجعہ ہی کرنا پڑے تو وہ کتاب اللہ وسنت رسول سے براہ راست استفادہ کا اہل ہوگیا ہے۔ چنانچہ اب اسے چاہیے کہ وہ کتاب اللہ کی کثرت سے تلاوت کرے اور اس میں تدبر وتفکر کا خوب خوب اہتمام کرے، کتب احادیث کا مطالعہ کرے، احادیث کے معانی پر غور کرے نیز ان کتابوں میں موجود علمی مسائل پر اس کی نظر ہو یہاں تک کہ اسے اپنی بابت اس بات کا غالب گمان ہوجائے کہ جب کبھی وہ کسی مسئلہ میں غور کرے اور اس سے متعلق قرآن وحدیث کے نصوص اپنے ذہن میں لائے تو اس مسئلہ کے ظاہری دلائل اس کے ذہن میں حاضر ہوجائیں اور اسے یہ اشتباہ نہ ہو کہ کون سی دلیل لائق حجت ہے اور کون سی دلیل لائق حجت نہیں ہے اسی طرح ناسخ ومنسوخ، راجح ومرجوح اور صحیح وضعیف احادیث کے درمیان بھی اسے اشتباہ نہ ہو۔ انظر:[تحقیق الکلام فی المسائل الثلاث :ص:٦٤]

چنانچہ جسے کتاب وسنت کا علم اتنا حاصل ہوجائے تو حقیقی معنوں میں وہی عالم کہلانے کا حقدار ہے اس لیے کہ اب وہ کتاب وسنت سے شرعی احکام کو جاننے اور اخذ کرنے کا اہل ہو چکا ہے۔ انظر:[المصدر السابق ،ص: ٥٠]

مزید برآں حقیقی عالم کی کچھ علامتیں بھی ہیں جن میں سب سے اہم دو علامات ہیں:

۱۔ ایک علامت یہ ہے کہ عالم باعمل ہوتا کہ اس کا قول اس کے فعل کے مطابق ہو لیکن اگر اس کے قول وفعل میں تضاد ہے تو وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس سے علم حاصل کیا جائے یا کسی بھی علم میں اس کی اقتداء کی جائے۔

۲۔ دوسری علامت یہ ہے کہ اس نے وہ علم علماء کے زیر تربیت حاصل کی ہو اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہو اور ایک لمبی مدت گزاری ہو جیسا کہ سلفِ صالحین کا شیوہ رہا ہے۔ انظر:[الموافقات :١/١٤١-١٤٢]

لہٰذا طالبان علوم نبوت کو چاہیے کہ حصول علم کی راہ میں جاں فشانی وعرق ریزی کا مظاہرہ کریں۔ چشمۂ علم وعرفاں سے خوب خوب سیرابی حاصل کریں۔ یہاں تک کہ انہیں علم میں پختگی اور رسوخ حاصل ہوجائے۔ نیز وقت سے پہلے اپنے آپ کو نمایاں کرنے میں جلد بازی نہ کریں تاکہ ان لوگوں میں سے نہ ہوجائیں جنہیں پر جمنے سے پہلے پرواز کی فکر دامن گیر ہونے لگتی ہے اور علم میں پختگی پیدا ہونے سے پہلے بلند وبانگ دعوے کرنے لگتے ہیں۔

چنانچہ افسوس کا مقام ہے کہ موجودہ وقت میں کتنے ایسے نوخیز طلبہ ہیں جو اس عظیم لقب کے دعویدار ہیں حالانکہ یہ ابھی سطحِ آب پر تیر رہے ہیں اور علم میں دستگاہ حاصل نہیں ہوئی ہے نیز علماء کی تربیت بھی نا کے برابر ملی ہے۔

فاللہ المستعان

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا باللّٰة، عليه توكلّت، وإليه أنيب.

اولاد کی تربیت کیوں کریں؟

(تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا)

عتیق الرحمٰن عبید الرحمٰن سلفی

محترم قارئین! فیملی اللہ کا انعام ہے، خوشگوار لائف کے لیے فیملی ضروری ہے، مرد وعورت کے نکاح کی برکت سے نسلوں کا مبارک سلسلہ شروع ہوتا ہے اور یہی فیملی انسان کی پہچان اور سکون وراحت کا ذریعہ بن جاتی ہے، واقعی نکاح اللہ کی نشانی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً﴾

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تم میں سے ہی تمہاری بیویاں پیدا کیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کیے'' [النحل: ۷۲]

فیملی اور اولاد کی یہ عظیم نعمت اُس وقت زحمت اور عذاب بن جاتی ہے جب وہ گمراہ ہوجائے، اللہ کے دین سے بھٹک جائے۔ اس لیے ایک مسلمان اپنی فیملی کو سدا دین پر قائم رکھنے کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے، انبیاء کے نقش قدم پر چلتا ہے، اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی تعلیم وتربیت کرتا ہے، اس راہ میں پیش آنے والی تمام تکالیف پر صبر کرتا ہے۔ واقعی ایسا مسلمان قابل مبارکباد ہے۔

قارئین کرام! دینی تعلیم وتربیت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے ہم اپنی فیملی کو دنیا وآخرت میں سعادت مند بنا سکتے ہیں، موجودہ دور میں والدین اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت سے بالکل غافل ہیں جس کی وجہ سے سماج میں برے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے، گھر اور سماج سبھی خوف وہراس کی زندگی جینے پر مجبور ہیں، مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کے ارتداد کا سلسلہ جاری ہے، مسلسل مسلم سماج ذلیل ہورہا ہے، حالانکہ اسلام بہترین فیملی کو بہترین زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔ اور فیملی کی تربیت وتعلیم کو خیر وبھلائی کا سرچشمہ قرار دیتا ہے، اپنی فیملی کی دینی تعلیم وتربیت کرنے والے مبارکباد کے لائق ہیں اور وہ لوگ جو اپنی فیملی کو دین وایمان سے دور رکھتے ہیں، ان کی تربیت نہیں کرتے وہ بڑے ہی بدنصیب ہیں، ایسے لوگ دنیا میں بھی بدنام اور ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی جوابدہ ہیں۔

میں اس مختصر مضمون میں تربیتِ اولاد پر ابھارنے والے چند پہلو اور فوائد وثمرات پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ اولاد کی تربیت سے غافل والدین کو بیدار کرسکوں اور پھر وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کریں اور ان کے حوصلوں کو بلند کرسکوں جو اپنی فیملی کی تعلیم وتربیت کے لیے دن رات ایک کیے رہتے ہیں۔ اور ان کی اصلاح کے لیے رب سے دعا بھی کرتے رہتے

ہیں۔

آپ اپنے بچوں کی تربیت کریں کیونکہ!

۱۔ اولاد دنیوی زندگی کا حسن و جمال ہے (الکہف/۴۶) اور اللہ کا قیمتی تحفہ ہے، اس نے آپ کو اپنی مشیت سے عطا فرمایا ہے۔ (الشوری/۴۹)

رب کی اس نعمت کا شکر ضروری ہے اور شکر گزاری کا تقاضہ ہے کہ ہم اولاد کی حفاظت کریں، پرورش کریں، تعلیم وتربیت سے آراستہ کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر گزاری کو پسند فرماتا ہے: ﴿وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ﴾

''اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرے گا'' [سورۃ زمر:۷]

۲۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں''

[سورۃ التحریم :٦]

اس آیت میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ خود کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اور آگ سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی فیملی کو تعلیم وتربیت سے مزین کردو خود اللہ سے ڈرو اور اہل وعیال کو بھی متقی بنادو، جب تعلیم وتربیت ہی جہنم سے بچنے کا واحد طریقہ ہے تو یہ کس قدر ضروری ہے ہم اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں، ایک باپ اپنے بچوں کو دنیوی تکالیف سے بچانے کے لیے سب کچھ قربان کردیتا ہے تو ایک سمجھدار باپ اپنے بچوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے سب کچھ قربان کیوں نہیں کرسکتا ہے؟

والدین اولاد کی تعلیم وتربیت کے ذمہ دار ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس بارے میں سوال کرے گا۔

''وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ''

''مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا'' [صحیح بخاری:۷۱۳۸]

یہ اللہ کا حکم اور اسلامی فریضہ ہے، لہٰذا والدین اللہ کی تعظیم اور قیامت کے دن کے خوف سے اپنے بچوں کی تربیت ضرور کریں۔

۳۔ تعلیم وتربیت کرنے والے والدین کے لیے لڑکیاں جہنم سے آڑ بن جاتی ہیں جیسا کہ بیٹی کی تربیت اور

احسان پر یہ بشارت دی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ يَلِي مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ''

''جو شخص بھی اس طرح کی لڑکیوں کی پرورش کرے گا اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرے گا تو یہ اس کے لیے جہنم سے پردہ بن جائیں گی'' [بخاری:۵۹۹۵]

اولاد کی پرورش اور تعلیم وتربیت اتنا مبارک کام ہے کہ والدین کو جہنم سے دور رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔

لاپرواہی اور غفلت چھوڑ کر کمر کس لیں اور اپنے اہل وعیال کو دینی تعلیم وتربیت دیں، محبت اور پیار دیں، انہیں ایک سچا مسلمان بن کر زندگی گزارنے کی تلقین کریں، اور اس کام میں صبر جمیل اختیار فرمائیں، آپ کی تربیت سے ایک بیٹی اور بہن دنیا کی سب سے قیمتی اور نفع بخش متاع بن جاتی ہے، رسولِ رحمت ﷺ نے فرمایا:

''الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ''

''دنیا فائدہ اٹھانے کی چیز ہے، اور سب سے بہترین فائدہ اٹھانے والی چیز: نیک عورت ہے'' [صحیح مسلم: ۳۶۴۹]

۴۔ تعلیم وتربیت کا مقصد قلب وروح اور اعمال کی اصلاح ہے، ایسی صالح اولاد دل کا سرور اور آنکھوں کا نور ہوتی ہے، اولاد کو اطاعتِ الٰہی میں دیکھ کر صالح والدین کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے، قلب ونظر کے اسی سکون اور ٹھنڈک کو پانے کے لیے صالحین دعائیں بھی کرتے تھے: ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا'' [الفرقان:۷۴] اولاد سے دل کا سکون اور آنکھوں کی ٹھنڈک پانے کے لیے ان کی تعلیم وتربیت کرنا ضروری ہے۔

۵۔ صدقۂ جاریہ کا مطلب ہوتا ہے ایسا صدقہ جس کا اجر وثواب آپ کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہے اولاد کی تربیت وتعلیم اس لیے بھی کریں تاکہ وہ آپ کے لیے بہترین صدقۂ جاریہ بنیں جب تک وہ خیر اور دین پر باقی رہیں گے آپ کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ''

''جس نے کسی بھلائی کی طرف کسی کی رہنمائی کی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس کام کے کرنے والے کو ملے گا'' [ابوداؤد:۵۱۲۹، صحیح]

ذرا غور فرمائیں! اولاد کی تعلیم وتربیت کر کے آپ اپنے لیے اجر وثواب کے کتنے راستے کھول رہے ہیں، آپ کی موت کے بعد بھی آپ کو اجر وثواب ملتا رہے گا، ایک مومن کے لیے کتنا بڑا اور نفع بخش پروجیکٹ ہے۔

۶۔ دعائے خیر: موت کے بعد دعا کا فائدہ میت کو ضرور ملتا ہے لیکن کون کس کے لیے دعا کرتا ہے؟ لوگ اپنے لیے دعا نہیں کرتے، البتہ اگر اولاد کی تربیت دین وایمان پر کی گئی ہے تو ایسی اولاد دعا کرے گی۔ جیسا کہ حدیث میں بتایا گیا ہے: ''أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ'' ''یا نیک بچے جو اس کے لیے دعا کریں'' [صحيح مسلم:٤٢٢٣]

بچوں کی دعائیں آخرت میں والدین کی مغفرت اور درجات کی بلندی کا سبب ہیں اور یہ فائدہ نیک اولاد سے ہی مل سکتا ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

''إنَّ الرَّجلَ لتُرفَعُ درجتُه فی الجنةِ فیقولُ :أنَّی هذا؟ فیقالُ:باستغفارِ ولدِکَ لَکَ''.

''آدمی کا درجہ جنت میں بلند کیا جائے گا، پھر وہ کہے گا کہ میرا درجہ کیسے بلند ہو گیا اس کو جواب دیا جائے گا: تیرے لیے تیری اولاد کی دعا واستغفار کرنے کے سبب سے'' [سنن ابن ماجة : ٣٦٦٠،حسن]

محترم والدین! نیک اولاد کی دعائیں دنیا وآخرت میں آپ کے لئے کس قدر نفع بخش ہیں، اگر آپ یہ خوش نصیبی چاہتے ہیں تو اپنی اولاد کو دینی تعلیم وتربیت سے آراستہ کریں، اولاد کو ضائع کرنے میں نقصان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۷۔ بچے کورے کاغذ کی طرح بالکل معصوم ہوتے ہیں، دینی تعلیم وتربیت سے انہیں بہترین اور نفع بخش مسلمان بنایا جاسکتا ہے، جو والدین کے لیے دل کا سکون اور آنکھوں کا نور ثابت ہوں، بطورِ مثال آپ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو دیکھیں، آپ نے اللہ سے صالح اولاد کے لیے دعا بھی فرمائی تھی اور انہیں صالح بنانے کے لیے زبردست کوششیں بھی کیں، ان کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک رسول مبعوث کرنے کی دعا فرمائی تاکہ وہ رسول آپ کی نسلوں کی تعلیم وتربیت کرے، ان کو پاک صاف کرے، ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اولاد کو ہر حال میں دین اسلام پر قائم رکھنے کے لیے ایمان واستقامت کی وصیت فرمائی:

﴿وَوَصّٰى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

''اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی، کہ ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی مرنا'' [البقرة:١٣٢]

اس کے برعکس جو لوگ اپنے بچوں کی تربیت نہیں کرتے اور بچوں کو ضائع کر دیتے ہیں یا دین کا علم نہیں سکھاتے ہیں وہ زندگی بھر افسوس کرتے ہیں اور اپنی نافرمان اور گنہگار اولاد کو دیکھ کر سدا پریشان رہتے ہیں، بسا اوقات یہی بگڑی ہوئی اولاد خود والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنے لگتی ہے جس کی وجہ سے والدین غم ورنج کی گہری کھائی میں گر پڑتے ہیں، اور

خون کے آنسو رونے پر مجبور ہوتے ہیں، لہٰذا دنیوی سعادت کے حصول کے لیے بھی اولاد کی دینی تربیت ضرور کریں۔

۸۔ آخرت کی سعادت کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے اہل خانہ کے ساتھ جنت میں داخل ہوجائے اور یہ اولاد کی دینی تربیت وتعلیم سے ہی ممکن ہے، اللہ نے اہل ایمان سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ مومن اولاد اور ازواج کو ان کے ساتھ جنت میں داخل کریں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے'' [الطور: ۲۱]

اور بدبختی یہ ہے کہ انسان اہلِ خانہ کے ساتھ جہنم میں گر پڑے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب لوگ اپنی اولاد کو دینی تعلیم وتربیت سے محروم رکھتے ہیں اور خود بھی دین سے بیزار زندگی گزارتے ہیں، ایسے لوگ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں، ربِّ کریم کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾

''کہہ دو کہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا، دیکھو یہی صریح نقصان ہے'' [الزمر: ۱۵]

۹۔ اولاد کے حق کی ادائیگی: جس طرح والدین کا بچوں پر حق ہے اسی طرح بچوں کا بھی والدین پر حق ہے، آپ کی شرافت اور صالحیت کا تقاضہ ہے کہ اپنے بچوں کا حق ادا کریں، ان کی تعلیم وتربیت ان کا اہم ترین حق ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

''وَإِنَّ لِوَلَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا'' ''تمہارے بچے کا تم پر حق ہے'' [صحیح مسلم: ۲۷۲۱]

بچپن میں ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت یہ ان کا حق ہے، صالحین اپنے والدین اور اولاد سب کے حقوق ادا کرتے ہیں، کیونکہ قیامت کے روز آپ سے تربیت اولاد سے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔

محترم قارئین! یہ چند فوائد اور ثمرات ایک سمجھدار مسلمان والدین کے لیے کافی ہیں، مختصر یہ کہ دنیا وآخرت کی سعادت تربیتِ اولاد میں ہی ہے، اور اولاد کو ضائع کرنے میں ذلت ورسوائی ہے، اللہ تعالیٰ ہر والدین کو دین کی سمجھ اور اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

توبہ اور استغفار میں فرق

ابوقحافہ محمد معاذ عمری، بنگلور

اللہ تعالیٰ کی (بندگی) بندے کے لیے سب سے بڑا شرف ہے۔ بندگی میں کمی بیشی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ سے دوری بھی ہوجاتی ہے، مگر توبہ واستغفار سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کی جاسکتی ہے۔

(توبہ/استغفار) دو عظیم عبادتیں ہیں، نماز روزہ کی طرح دو جدا جدا عبادتیں ہیں، یہ فرق معلوم ہوگا تبھی یہ ممکن ہوگا کہ ہم نے توبہ بھی کی، استغفار بھی کیا ہے۔

توبہ اور استغفار میں فرق:

یہ سوال اور یہ عنوان محض اس لیے ہی نہیں کہ ان دو عبادتوں کے فرق سے باخبر رہیں بلکہ اس لیے بھی کہ غیر شعوری طور پر دو الگ الگ عبادتوں کو ایک سمجھ کر (عبادت) میں ہم ناقص نہ رہیں۔

مدارج السالکین سے ایک اقتباس:

پانچویں صدی ہجری کے ایک عالم ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الحنبلی (ت ۴۸۱ھ) ہیں، انہوں نے ایک کتاب "منازل السائرین" تصنیف کی ہے، اس کتاب میں ۱۰۰ منازل ذکر کیے گئے ہیں، جس سے منزل بمنزل تدریجاً طے کرکے بندہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

حافظ ابن قیم الجوزیہ (ت ۷۵۱ھ) رحمہ اللہ نے مذکورہ کتاب کی شرح "مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین" کے نام سے کیا ہے۔

اس کتاب "مدارج السالکین: ۱/ ۵۴۲" سے ہی ایک اقتباس کچھ تصرف سے پیش کروں گا۔

غور کریں! قرآن میں جہاں اللہ تعالیٰ استغفار کا مفرد حکم فرمائے ہیں وہاں استغفار (توبہ) کو شامل ہے۔

مثلاً چند آیات ملاحظہ کریں:

نوح علیہ السلام کا اپنی قوم سے کہنا: ﴿اِسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾ [نوح: ۱۰]

صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب کی جلدی کرنے پر نصیحت کرتے ہوئے کہا:

﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [النمل: ٤٦]

اسی طرح (البقرۃ: ۱۹۹) میں امور حج بیان کرنے کے بعد استغفار کا حکم دیتے ہوئے کہا گیا: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ

﴿إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

مذکورہ سبھی آیتوں میں مجرّد استغفار کا حکم ہے مگر (توبہ) اس میں داخل ہے۔

بیشتر آیات میں استغفار اور توبہ کو مقروناً یعنی ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ یہ دو الگ الگ عبادتیں ہیں۔

استغفار کا تعلق گزرے ہوئے ایام سے ہے جب کہ توبہ آنے والی گھڑیوں سے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے (سورۃ ھود) کے آغاز اور وسط میں بیان فرمایا:

﴿وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ﴾[ھود:۳]

اسی سورت میں ہود علیہ السلام کی زبانی: ﴿وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ﴾[ھود:۵۲]

اور صالح علیہ السلام کا یہ قول: ﴿فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ﴾ [ھود:٦١]

اور آخر میں شعیب علیہ السلام کی دعوت کا ایک قطعہ یہ بھی ذکر کیا گیا: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾[ھود:۹۰]

ان سبھی آیات میں (استغفار) کے ساتھ (توبہ) کا الگ سے ذکر ہے۔

دو گناہ:

یہ سمجھ لیں کہ انسان سے ایک گناہ ہو چکا ہے اس کے لیے (استغفار) ہے، اور بحیثیتِ بشر مستقبل میں کسی گناہ کے ارتکاب کا خوف بھی دامن گیر ہے ایسے میں (توبہ) اس کو مستقبل میں -باذن اللہ- محفوظ رکھے گا۔

تنبیہ:

(استغفار) کا معنیٰ سمجھنے میں چوک نہیں ہونی چاہیے، چوک کیسے ہوسکتی ہے؟

(غَفَرَ) کا معنیٰ!

عربی زبان میں (غَفَرَ) کا معنیٰ بھلے ہی (اَلسَّتْرُ) ہو مگر شرعاً اس میں ایک زائد معنیٰ ایک زائد وصف بھی ہے۔

اس لیے کہ (غفران) کا معنیٰ محض کسی گناہگار کی ستر پوشی (پردہ ڈالنا) ہی ہے تو یہ اہل ایمان کے لیے خاص نہیں ہے، مومن کے ساتھ کافر، فرمانبردار اور نافرمان دونوں کی اللہ تعالیٰ ستر پوشی کرتے ہیں، اس لیے لفظ (غَفَرَ) میں صرف ستر پوشی ہی نہیں بلکہ (الوِقَایۃُ) کا مرادی معنیٰ بھی آتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی نافرمان بندے کے حق میں صرف ستر پوشی نجات کے لیے کافی نہیں ہے ستر پوشی کے ساتھ اسی

عذاب سے بچالیا جانا اصل ہے۔

جی ہاں! (ستر) لفظ (غَفَرَ) کا لازمی حصہ ہے۔

ایک مثال: عربی زبان میں (اَلْمِغْفَرُ) خَود یعنی سر پر پہنی جانے والی لوہے کی ٹوپی کو کہا جاتا ہے۔ دیکھیے:

[صحیح البخاری: کتاب اللباس، باب المغفر۔رقم:۵۸۰۸]

اب دھیان دیں سر پر کوئی بھی کپڑا ہو تو اسے (مِغفر) نہیں کہا جاتا۔

مثلاً: سر پر (عِمامۃ) باندھا جاتا ہے، یا عام ٹوپی پہنی جاتی ہے اس میں (ستر) کا معنی ضرور ہے مگر میدان جنگ میں (اَلْوِقَایَۃُ) کی صفت اس میں قطعاً نہیں ہے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے (استغفار) میں صرف ستر پوشی نہیں بلکہ عذاب سے نجات بھی مقصود ہونا چاہیے۔ یہ کب ہوگا؟ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

اس بارے میں یہی بات ہے کہ جب ہم (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ) کا ورد کرتے ہیں تو صرف یہ معنی نہیں لینا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سیئات پر پردہ ڈال دے، بلکہ یہ معنی مراد ہونا چاہیے کہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سیئات کو ختم کردے۔

۲۔ حسنات سے بدل دے۔

۳۔ آنے والی زندگی میں جو گناہ ہوگا اس سے اور دیگر گناہوں سے محفوظ رکھے۔

۴۔ استقامت عطا کرے۔ غیرہ۔

کیوں کہ (ستر پوشی) تو یوں ہی ہو جاتی ہے مگر وہ خاص نہیں ہے اہل ایمان کے لیے، نجات ملنا وہ اصل ہے اور وہ (استغفار اور توبہ) سے ہی ممکن ہے۔

خلاصہ: (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ) کہتے ہیں تو اس میں (وَأَتُوْبُ إِلَیْہِ) کا معنی لازمی آتا ہے وہ ہمارے شعور میں ہونا چاہئے۔

جب کہ (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَأَتُوْبُ إِلَیْہِ) ایک ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں تو بات زیادہ واضح رہتی ہے جس کا معنی بقول ابن القیم:

الاستغفار: "طَلَبُ وِقَایَۃِ شَرِّ مَا مَضَی" "ماضی کی برائیوں اور گناہوں سے محفوظ رہنے کی دعا کرنا"

التوبۃ: "الرُّجُوعُ وَطَلَبُ وِقَایَۃِ شَرِّ مَا یَخَافُہُ فِی الْمُسْتَقْبَلِ مِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِہِ"

ایک کلمہ میں کہنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں:

(استغفار) پچھلے گناہ سے مفارقت اور (توبہ) مفارقت کے فوراً رجوع الی اللہ۔

کیا دو رکعت یا ایک تشہد والی نماز میں تورّک کیا جائے گا؟

حافظ اکبر علی اختر علی سلفی

محترم قارئین!

یوپی کے ایک شہر میں دو رکعت والی نماز میں تورک کے تعلق سے ایک مسئلہ رونما ہوا۔ وہاں ایک طالب علم نے جمعہ کے دن یہ بات کہی کہ دو رکعت والی نماز میں تورک نہیں کیا جائے گا۔ پھر ایک عالم نے بھی یہ بات کہہ دی کہ راجح یہ ہے کہ دو رکعت والی نماز میں تورک نہیں کیا جائے گا۔ پھر وہیں پر موجود میرے ایک دوست نے مجھے فون کیا اور درخواست کی کہ اِس مسئلے کے تعلق سے راجح کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

راقم جواباً عرض کرتا ہے کہ اِس مسئلے میں راجح یہ ہے کہ دو رکعت والی نماز یا ایک تشہد والی نماز میں بھی تورک کیا جائے گا کیونکہ یہ سنتِ نبوی ﷺ ہے۔

دلیل پیش خدمت ہے:

امام ابوالفداء اسماعیل بن عمر الدمشقی، المعروف بابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی:۷۷۴ھ) رقمطراز ہیں:

قال عبد اللّٰه بن وهب (فی موطئه):عن حَيوة، عن ابی عيسى سليمان بن كيسان، عن عبد الله بن القاسم قال: بينما الناسُ يصلُّون على انحا شیءٍ فی القيام والركوع والسجود، إذ خَرَج عمرُ بن الخطاب، فلما رای ذلک غضب، وهيَّت بهم ، حتى تجوَّزوا فی الصلاة، فانصرَفوا، فقال عمرُ:اَقبِلُوا علیَّ بوجوهكم، وانظروا إلیَّ كيف اصلِّی بكم صلاةَ رسولِ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم التی كان يصلِّی ويامر بها.

فقام مستقبِلَ القِبْلةِ، فرفع يديه حتى حاذى بهما مَنكبيه، فكبَّر، ثم غَضَّ بصرَهُ، وخَفَضَ جناحَهُ.ثم قام قدرَ ما يقرأُ بامِّ القرآن، وسورةٍ من المفصَّل، ثم رفع يديه حتى حاذى بهما مَنكبيه، فكبَّرَ، ثم ركع، فوَضَع راحتيه على ركبتيه، وبَسَط يديه عليهما، ومدَّ عُنُقَه، وخَفَضَ عَجُزَه، غيرَ مُصوِّبٍ ولا مُقنعٍ، حتى انْ لو انَّ قطرةَ ماءٍ وَقَعت فی نَقرة قفاه لم تنته ان تقعَ، فيَمكثُ قدرَ ثلاثِ تسبيحاتٍ غيرَ عَجِلٍ، ثم كَبَّرَ (فرفع)

وذَكر الحديث إلى ان قال:ثم كَبَّرَ، فرفع، واستوى على عقبيه، حتى وَقَع كلُّ عظمٍ منه

موقعَهُ، ثم كَبَّرَ، فسَجَد قدرَ ذلك، ورفع راسَه، فاستوى قائمًا، ثم صلَّى ركعةً اخرى مثلَها، ثم استوى جالسًا، فنَحَّى رجليه عن مَقعدتِهِ والزم مَقعدتَهُ الارضَ، ثم جَلَس قدرَ ان يتشهدَ بتسعِ كلماتٍ، ثم سلَّم، وانصرف، فقال للقوم: هكذا كان رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يُصلِّي بنا.

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن القاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لوگ نماز پڑھتے ہوئے قیام، رکوع اور سجدوں میں کچھ غلطی کر رہے تھے، اِسی دوران عمر فاروق رضی اللہ عنہ آ گئے اور جب آپ نے یہ کیفیت دیکھی تو غصہ ہو گئے اور انہیں زور سے پکارا یہاں تک کہ اُن لوگوں نے نماز مختصر کی اور پلٹے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اُن سے) فرمایا: تم سب میری طرف متوجہ ہو جاؤ اور مجھے دیکھو! میں کیسے تمہیں رسول اللہ ﷺ کی وہ نماز پڑھاتا ہوں جو آپ پڑھتے تھے اور اسی طرح پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو گئے، پھر ہاتھ اٹھایا یہاں تک کہ انہوں اپنے دونوں کندھوں کے برابر لے گئے پھر اللہ اکبر کہا، اُس کے بعد نگاہ جھکا لی اور کندھوں کو جھکا لیا پھر اتنی دیر کھڑے رہے جس میں سورہ فاتحہ اور مفصل کی ایک سورت پڑھی جا سکے، پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھایا اور اللہ اکبر کہا، پھر رکوع کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ لیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اُن پر پھیلا دیا، پھر اپنی گردن لمبی کی اور پشت جھکا کر ایسی کیفیت اختیار کی کہ اُس میں نہ تو آپ اٹھے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور نہ ہی جھکے ہوئے حتیٰ کہ اِس حالت میں اگر پانی کا ایک قطرہ دماغ کے آخر اور گدی سے اوپر کے گڑھے میں ہوتا تو وہ نہ گرتا، پھر آپ اِس حالت میں تین تسبیح پڑھنے کے بقدر ٹھہرے رہے، جلدی نہیں کی۔ پھر اللہ اکبر کہا اور رکوع سے اٹھ گئے۔

اور راوی نے اِس کے بعد پوری حدیث بیان کی جس میں آگے ہے کہ عبداللہ بن القاسم رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا اور اٹھے، پھر اپنی ایڑیوں پر برابر ہو کر بیٹھ گئے یہاں تک کہ اُن کی ہر ہڈی اپنی جگہ پر واپس آ گئی، پھر آپ نے اللہ اکبر کہا اور اسی مقدار کے برابر سجدہ کیا، اِس کے بعد اپنا سر اٹھایا اور سیدھے کھڑے ہو گئے۔ اِس کے بعد آپ نے دوسری رکعت بھی اِسی طرح پڑھی اور پھر بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پاؤں کو اپنی سرین سے ہٹایا اور سرین کو زمین سے چپکا دیا یعنی زمین پر رکھ دیا پھر نو کلمات کے برابر تشہد میں بیٹھے، پھر سلام پھیر دیا اور پلٹ گئے پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: اللہ کے نبی ﷺ ہمیں اسی طرح نماز پڑھاتے تھے۔

(حوالہ) [مسند الفاروق لابن كثير بتحقيق امام بن علي بن امام: ۲۰۷/۱ ـ ۲۰۸، ح: ۹٤،و الاحكام الكبير له بتحقيق نور الدين طالب: ۲۸۸/۳ ـ ۲۸۹ والزيادة الاولى والثانية له]

(حکم حدیث) اِس کی سند صحیح ہے۔

(مختصر تحقیق سند) مذکورہ روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(۱) ابوزرعہ حیوہ بن شریح المصری رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ کتب ستہ وغیرہ کے راوی ہیں اور ثقہ ثبت ہیں۔

ائمہ کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں:

امام ابوعبداللہ محمد بن سعد البغدادی، المعروف بابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰ھ)

"وكان ثقة" "آپ ثقہ تھے"[الطبقات الكبرىٰ بتحقيق محمد عبد القادر:۳۵۷/۷، ت:٤٠٦٥]

امام ابوزکریا یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳ھ)

"حيوة بن شريح ثقة" "حیوہ بن شریح ثقہ ہیں"[الجرح والتعديل لابن ابی حاتم بتحقيق المعلمی:۳۰۷/۳، ت:١٣٦٧]

امام ابوالحسن احمد بن عبداللہ العجلی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱ھ)

"مصری ثِقَة رجل صَالح" "آپ مصری، ثقہ ہیں اور نیک آدمی ہیں"[معرفة الثقات بتحقيق عبد العليم البستوی : ص:۳۲۸، ت:۳۸۳]

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی، المعروف بابن حبان رحمہ اللہ (المتوفی:۳۵۴ھ)

"من عباد المصريين والصالحين من المتقنين" "آپ مصر کے عبادت گزار، نیک اور متقن لوگوں میں سے ہیں"[مشاهير علماء الامصار واعلام فقهاء الاقطار بتحقيق مرزوق على ابراهيم :ص:۲۹۸، ت:١٤٩٩]

امام حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲ھ)

"ثقة، ثبت، فقيه، زاهد" "آپ ثقہ، ثبت، فقیہ اور زاہد ہیں"[تقريب التهذيب بتحقيق محمد عوامة :ص:۱۸۵، ت:١٦٠٠]

مزید اقوال کے لیے دیکھیں:[تهذيب الكمال للمزی بتحقيق بشار عواد:٤٧٨/٧،ت:١٥٨٠]

(۲) ابوعیسیٰ سلیمان بن کیسان الخراسانی رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ سنن ابی داؤد وغیرہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(۳) عبداللہ بن القاسم القرشی مولیٰ ابی بکر الصدیق رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ بھی سنن ابی داؤد وغیرہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

(نتیجہ) امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث امام ابن وہب المصری رحمہ اللہ کی کتاب مؤطا سے نقل کی ہے اور اِس کی سند صحیح ہے۔

زیر بحث حدیث کو صحیح قرار دینے والے علماء:

(۱) امام الائمہ ابوبکر محمد بن اسحاق السلمی، المعروف بابن خزیمہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۱ھ)

آپ رحمہ اللہ نے زیر بحث روایت کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ زیر بحث حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"لم اره فی شیء من الکتب الستة ولا من المسند وانما رواه ابن خزیمة فی صحیحه من حدیث ابن وهب به"

اِس حدیث کو میں نے کتب ستہ اور مسند احمد میں نہیں دیکھا۔ اِس حدیث کی امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں امام ابن وہب رحمہ اللہ کے طریق سے تخریج کی ہے۔[الاحکام الکبیر بتحقیق نور الدین طالب :۲۸۹/۳]

مذکورہ قول کو نقل کرنے کے بعد شیخ مطر احمد حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"لم اقف علیه فی صحیح ابن خزیمة فلعله من القسم الناقص"

''میں صحیح ابن خزیمہ میں اِس حدیث کو نہیں پا سکا، شاید یہ حدیث ناقص حصے (یعنی صحیح ابن خزیمہ کا جو حصہ دستیاب نہیں ہے، اُس) میں ہے'' [مسند الفاروق بتحقیق مطر احمد: ۱۴۰/۱، تحت الحدیث: ۱۰۵]

راقم کہتا ہے کہ جی! زیر بحث روایت کسی بھی مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی صحیح کے حوالے سے نقل کیا ہے اور کس طریق سے نقل کیا ہے، اُس کی بھی وضاحت کی ہے لہٰذا اُن پر اعتماد کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(۲) شیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ:

راقم نے شیخ حفظہ اللہ سے اِس سند کی بابت استفسار کیا تو آپ نے کہا: اِس کی سند صحیح ہے۔ (تاریخ: ۲۰۲۱/۳/۲، بعد نماز عشاء)

(۳) شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ:

یہ سند حسن ہے۔[نور العینین فی اثبات رفع الیدین :ص: ۲۰۱]

(۴) شیخ خبیب احمد اثری حفظہ اللہ:

اِس کی سند صحیح ہے۔(الاعتصام لاہور، اکتوبر:۲۰۱۶،ص:۱۰-۱۴)

(۵) شیخ محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ:

اِس کی سند صحیح ہے۔(شیخ کے بلاک پر، عنوان: دو رکعت والی نماز میں تورک)

زیر بحث حدیث کی تین اہم باتیں:

(پہلی بات) زیر بحث حدیث میں ہے کہ:

"ثم صلَّى ركعةً اخرى مثلَها......ثم سلَّم، وانصرف"

"پھر آپ نے دوسری رکعت پہلی رکعت کی طرح پڑھی......پھر سلام پھیر دیا اور پلٹے"

مذکورہ ٹکڑے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی تھی۔

(دوسری بات) زیر بحث حدیث میں ہے کہ:

"فنَحَّى رجليه عن مَقعدتِهِ، والزم مَقعدتَهُ الارضَ"

"اپنے دونوں پاؤں کو اپنی سرین سے ہٹایا اور سرین کو زمین سے چپکا دیا یعنی کہ زمین پر رکھ دیا"

مسلمان یہ بات جانتے ہیں کہ جب دو رکعت میں لوگ بیٹھتے ہیں تو اُن کی سرین اُن کے پیر پر ہوتی ہے نا کہ زمین پر لیکن جب بائیں پیر کو سرین سے ہٹا دیا جائے اور سرین کو زمین پر رکھ دیا جائے تو یہ تورّک ہے جیسا کہ علماء کرام اور اہل حدیث مسلمان جانتے ہیں۔

(تیسری بات) زیر بحث حدیث میں ہے کہ:

فقال للقوم: "هكذا كان رسولُ الله صلى الله عليه وسلم يُصلِّى بنا"

پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ: "رسول اللہ ﷺ ہمیں اسی طرح نماز پڑھاتے تھے"

مذکورہ ٹکڑے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دو رکعت یا ایک تشہد والی نماز میں تورک کرنا سنت نبوی ﷺ ہے۔

والحمد لله علىٰ ذٰلك.

کیا زیر بحث حدیث منقطع ہے؟

مسند الفاروق کے محقق امام بن علی حفظہ اللہ عبد اللہ بن قاسم کے نام کے بعد ایک نمبر لگا کر حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"ضبَّب عليه المؤلِّف لإنقطاعه بين عبد الله بن القاسم وعمر"

''مؤلف رحمہ اللہ نے اِس پر تصبیب کے ذریعہ عبداللہ بن قاسم اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع کا اشارہ کیا ہے'' [مسند القاروق بتحقیق امام بن علی:۲۰۸/۱]

راقم کہتا ہے کہ:

میری ناقص معلومات کی حد تک امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اِس طرح کا کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اِسی کتاب کی ایک دوسرے طالب علم مطر احمد حفظہ اللہ نے بھی دکتور احمد محمد نور سیف حفظہ اللہ کے زیر اشراف میں تحقیق کی ہے لیکن انہوں نے اِس طرح کی کوئی بات نہیں کہی۔ دیکھیں:[مسند القاروق بتحقیق مطر احمد :۱/ ۱۳۹۔۱۴۰، ح:۱۰۵]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے زیر بحث روایت کو اپنی ایک دوسری کتاب '' **الاحکام الکبیر** '' میں بھی نقل کیا اور وہاں بھی ہو بہو یہی سند ہے لیکن انقطاع کا کوئی اشارہ آپ نے نہیں کیا ہے اور اِس کتاب کی دو لوگوں نے تحقیق کی ہے اور انہوں نے بھی انقطاع کی کوئی بات نہیں کہی ہے۔ دیکھیں:[الاحکام الکبری بتحقیق نور الدین طالب :۲۸۸/۳۔۲۸۹و بتحقیق طرفہ :ص:۳۲۲۔۳۲۴]

اگر امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک زیر بحث روایت منقطع ہوتی تو آپ نے جب اپنی کتاب '' **الاحکام الکبیر** '' میں اِسے نقل کیا اور اُس کے بعد امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا اسے اپنی صحیح میں نقل کرنے کا ذکر کیا تو آپ وہاں یہ کہتے کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اِس روایت کو اپنی صحیح میں جگہ دی ہے جبکہ یہ روایت منقطع ہے لیکن آپ نے اُن کا تعاقب نہیں کیا۔

یہاں انقطاع کا کوئی شبہ ہی نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن القاسم رحمہ اللہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔

امام عبدالغنی عبدالواحد المقدسی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۰ھ) فرماتے ہیں:

''**رای عمر بن الخطاب و عبد اللّٰہ بن عباس و عبد اللّٰہ بن الزبیر**''

''عبداللہ بن القاسم رحمہ اللہ نے عمر فاروق، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کو دیکھا ہے''

[الکمال فی اسماء الرجال بتحقیق شادی بن محمد:۲۶۳/۶، ت:۳۷۰۱]

اور امام یوسف بن عبدالرحمٰن المزی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔ دیکھیں:[تھذیب الکمال بتحقیق بشار عواد:۴۳۸/۱۵، ت:۳۴۸۶]

نیز امام ذہبی اور امام ابن حجر رحمہما اللہ نے اِن کی موافقت کی ہے۔ دیکھیں:[تذھیب تھذیب الکمال بتحقیق

غنیم عباس وغیرہ :۲۵٦/۵، ت:۳۵٤۵،وتهذیب التهذیب بتحقیق ابراهیم و غیرہ:۲/٤٠٤]

اور امام مغلطائی بن قلیج المصری رحمہ اللہ (المتوفی ۷٦۲ھ) نے یہ بھی کہا ہے کہ:

"روی عن عمر بن الخطاب وغیره من الصحابة"

''عبداللہ بن القاسم رحمہ اللہ نے عمر بن خطاب اور اِن کے علاوہ دیگر صحابہ سے روایت کیا ہے'' [إکمال تهذیب الکمال بتحقیق عادل و اسامة :۸/۱۲٤، ت:۳۱۲۹]

کیا زیر بحث حدیث کی سند ضعیف ہے؟

(۱) شیخ مطر احمد حفظہ اللہ زیر بحث حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسناده ضعیف، فیه ابو عیسیٰ الخراسانی و عبد اللّٰه بن القاسم لم یتضح حالهما"

''اِس کی سند ضعیف ہے، اِس میں ابوعیسیٰ الخراسانی اور عبداللہ بن القاسم ہیں جن کے حالات واضح نہیں ہیں''

[مسند القاروق بتحقیق مطر احمد:۱/۱٤٠، ح:۱٠۵]

(۲) طرفہ بنت صالح الغامدی حفظہا اللہ زیر بحث حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتی ہیں:

"اسناده ضعیف، فیه سلیمان بن کیسان ، قال عنه الحافظ :مقبول وقال عنه ابن القطان : حاله مجهول وفیه عبد اللّٰه بن القاسم ، قال عنه الحافظ: مقبول"

''اِس کی سند ضعیف ہے، اِس میں سلیمان بن کیسان ہیں جن کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقبول اور امام ابن القطان رحمہ اللہ نے مجہول الحال قرار دیا ہے اور اِس سند میں عبداللہ بن القاسم بھی ہیں جن کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مقبول کہا ہے'' [الاحکام الکبریٰ بتحقیق طرفه :ص:۳۲۲-۳۲٤]

راقم کہتا ہے کہ زیر بحث روایت کی سند ضعیف نہیں ہے بلکہ صحیح ہے کیونکہ ابوعیسیٰ الخراسانی اور عبداللہ بن القاسم دونوں ثقہ راوی ہیں جیسا کہ مفصل طور پر راقم نے دو الگ الگ مضمون میں ثابت کیا ہے۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک .

(خلاصۃ التحقیق) عمر فاروق رضی اللہ عنہ والی روایت صحیح ہے اور اِس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دو رکعت والی نماز یا ایک تشہد والی نماز میں تورک کرنا چاہیے کیونکہ یہ سنتِ نبوی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

☆☆☆

☆

معتبر دینی صحافت کا ایک معتبر نام

ماہنامہ اہل السنۃ

اہل السنۃ
Ahlus Sunnah
اتباع الکتاب والسنۃ بفہم سلف الأمۃ

- فہم سلف کی روشنی میں کتاب وسنت کی دعوت
- عقدی ومنہجی مسائل میں مسلک سلف صحابہ وتابعین کا احیاء وترویج
- سماج میں پھیلے شرک وبدعات اور بدعقیدگیوں پر ایک کاری ضرب
- اختلافی مسائل پر مدلل تجزیات
- علوم الحدیث پر معیاری مضامین
- صحیح احادیث کی اشاعت اور ضعیف احادیث کی نشاندہی
- شریعت کے جملہ علوم وفنون کے اصول وضوابط پر تحقیقی مقالات
- تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کو مہمیز دینے والی تحریریں
- موجودہ مسائل وحالات پر شرعی وفکری تجزیات

اہل السنۃ کا تعاون کریں

مجلہ اہل السنۃ مختلف مساجد، مدارس، جامعات، لائبریریوں اور بعض حضرات کو ماہانہ مفت ارسال کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں آپ سے تعاون کی درخواست ہے۔

Special Help 5000/- خصوصی تعاون | Yearly Help 3000/- سالانہ تعاون | Monthly Help 300/- ماہانہ تعاون

DONATE TO

اہل السنۃ
Ahl Us Sunnah

Bank Name	:	ICICI Bank (Current Account)
Account Name	:	Ahl Us Sunnah
Account Number	:	102805001781
IFSC Code	:	ICIC0001028
Branch	:	Andheri Link Road Branch

Call for donation : 8291063785 / 8657458182

Total Pages 52

Date Of Publication : 1st Of Every Month
RNI No. : MAHURD/2011/49422/Postal Registration No. : MCE/281/2019-21
Posted On 4th And 5th Of Every Previous Month

آن لائن کورس
"زوم ایپ"

عوام الناس اور طلبہ کے لیے ایک اہم علمی کورس
زیر انتظام : اسلامک انفارمیشن سینٹر، ممبئی

امام بخاری - رحمۃ اللہ علیہ - کی مایہ ناز تصنیف

"الأدب المفرد"

کی شرح

مدرس : شیخ عبدالشکور بن عبدالحق مدنی / حفظہ اللہ

ان شاء اللہ : طلبہ کے لیے اس کورس سے اسلامی آداب، حقوق، اخلاق، فضائل اور بہت کچھ سیکھنے کا بہترین موقع

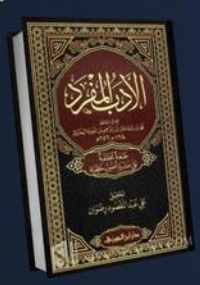

* کورس کی تفصیلات :
* کورس کا آغاز : 18/ ستمبر 2021 بروز سنیچر
* ہفتہ میں دو دن کلاس : سنیچر ، اتوار
* کلاس کا وقت : صبح 11:30 سے 12:30
* آن لائن کلاس زوم ایپ پر
* کورس کی مدت : ایک سال
* آن لائن کلاس کی لنک کورس کے واٹساپ اور ٹیلی گرام گروپ میں شیئر کی جائے گی
* کورس مکمل ہونے پر iicou ویب سائٹ پر امتحان ہوگا اور سرٹیفیکیٹ بھی بذریعہ ای میل بھیجا جائے گا
* کلاس اردو زبان میں ہوگی
* کورس کے نصاب میں شیخ البانی - رحمہ اللہ - کی کتاب "صحیح الادب المفرد" ہوگی ، شرکت کرنے والے کلاس کے وقت یہ کتاب یا اس کا ترجمہ سامنے رکھیں

طلبہ کے لیے کتاب کی پی ڈی ایف گروپ میں شیئر کی جائے گی، کلاس سے معلوماتی نوٹس طلبہ خود تیار کریں۔

For addmission this course whatsApp
Brother's : 829 1063 785 | Sister's : 704 5788 253

Islamic Information Centre
اسلامک انفارمیشن سینٹر
"Welcome to Knowledge. Welcome to Understanding"

Gala No.6, Swastik Chambers, Below Kurla Nursing Home, Opp. Noorjhan-1, Pipe Road, Kurla (W), Phone : 8080807836

Andheri Bakery Compound, Opp. Surbhi Vada Pav, Andheri Station Road Jama Masjid, Andheri (W), Mobile : 8080801882

Shop No. 9, Yadav Nagar, Near Masjid Sirajul Uloom, Khairani Road, Sakinaka-72, Mobile : 7710007943

iic mumbai | mumbaiiic | mumbaiiic | iic mumbai official | iic mumbai

If Undelivered Please Return To
Ahlus Sunnah
Islamic Information Centre
Gala No.6, Swastik Chamber, Below Kurla Nursing Home,
Opp. Noorjahan-1, Pipe Road, Kurla (W), Mumbai-400070
Phone : 8080807836, 8080801882

Book Post